تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ

تبصرہ

قرآن حکیم کی جمال آراء اور حکمت افروز تفسیر

سورۃ الرحمٰن وسورۃ الواقعہ

سید ریاض حسین شاہ

ادارہ تعلیمات اسلامیہ خیابان سرسید راولپنڈی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب ..... تبصرہ (سورۃ الرحمٰن وسورۃ الواقعہ)

ترجمہ وتفسیر ..... سید ریاض حسین شاہ

اشاعت اول ..... نومبر 2019

ہدیہ .....

ناشر ..... ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ

خیابان سرسید سیکٹر تھری، راولپنڈی

فون:042-35838038

0322-4301986

بسم الله
الرحمن الرحيم

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

سورۃ الرحمٰن

''عروس القرآن'' کا نزول

اتم، اکمل اور ارفع

سکینت، نغمیت اور رحمت و برکت

کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی مکی زندگی میں ہوا

اس میں تین رکوع، اٹھتر (78) آیات اور تین سو اکیاون (351) کلمات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ سورۂ مبارکہ ''الرحمٰن'' اور ''عروس القرآن'' کہلاتی ہے۔سورۂ نعمت اور ''رحمت'' بھی یہی سورت کہلاتی ہے۔اس میں بہجت وکمال اور رحمت ورنگ شباب پر دکھائی دیتا ہے۔سورہ کا طرز اور اسلوب جداگانہ شان رکھتا ہے۔حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ہر چیز میں عروسیت ہوتی ہے جبکہ قرآن کا عروس سورۂ رحمٰن ہے''۔

مراسمِ عروسیت میں زیبائش، حسن، طلبِ جمال، مقصدیت، طربیّت، خوشی، سکینت، رونق اور اعلیٰ حساسیت موجود ہوتی ہے۔سورۃ الرحمٰن کائنات کے وجود میں ایک اعلان عام ہے کہ اے انسانو! اللہ نے تم پر بے شمار نعمتیں برسا رکھی ہیں۔ کائنات کے مافی الوجود کے اندر اللہ کی تدبیر کی کارفرمائی پورے جوش اور خروش کے ساتھ انسانوں کو اپنی آغوش عطا میں لئے ہوئے ہے۔

''سورۂ نعمت'' سورۃِ ثقلین ہے۔سورت کا خاصہ یہ ہے کہ سورت میں بولنے والا انسان گونگا دکھائی دیتا ہے اور آنکھوں سے مخفی رہنے والی مخلوق کی آوازِ تسلیم گونج پیدا کر رہی ہے۔لطیف بات یہ ہے کہ ثقلین کی تکذیب کا عنوان اتنا عام کر دیا جاتا ہے جیسے شادیانے بجا بجا کر کہا جاتا ہے تم دونوں ربّ کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے؟

علامہ قرطبی عروس القرآن کے باراتی بن کر خامہ فرسائی فرماتے ہیں:

عروہ ابن زبیر سے مروی ہے کہ ایک روز حضور ﷺ کی بزمِ رفقاء میں ''مشاورت'' نے رنگ اٹھایا اور آراء وتجاویز کے شگوفے چٹکے اور عزم وہمت کی ننھی کلیوں نے پھول بننے کا حوصلہ پایا اور طے پا گیا کہ قریش کی سماعتوں میں قرآنی طربیّت کا جلوہ تجلی بار کیا جائے۔حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے

سعادتوں کا خزانہ جمع کرنے کے لئے حوصلے دل میں سجائے ۔
صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے کہا تمہارا ''خروش محبت'' اپنی جگہ
لیکن منکرین کہیں تمہیں کمزور اور ضعیف سمجھ کر مارنا نہ شروع کر
دیں۔ یہ عظیم اور ضروری کام کسی ایسے شخص کو کرنا چاہئے جس کا
قبیلہ فضیلت مآب ہو اور ساتھ میں وہ زور آور ہونے کی تاریخ بھی
رکھتا ہو۔ عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ پتلی پتلی ٹانگوں والے
کمزور بدن صحابی تھے لیکن ان کے جوش ایمان، خروش عشق اور
جلوۂ ہمت نے داد پائی۔ اللہ نے انہیں سریلی آواز اور لحنِ داؤدی
کا تحفہ دے رکھا تھا۔ قرآن سے ارادت شعلۂ جوالہ بن کر خرمن
قریش کی جانب لپکی اور سورۃ الرحمٰن کی تلاوت شروع کر دی ۔
مجالسِ کفر درہم برہم ہوگئیں، آواز حق سنسناتا تیر تھا یا گلستانِ حق
کی طرب انگیز خوشبو تھی قریش کی محفل ٹوٹ گئی۔ بدِ کی روحیں نشۂ
غفلت سے چور تھیں، صحیح فیصلہ مشکل ہو گیا اور وہ ابنِ مسعود کو
مارنے لگ گئے۔ راہِ حق میں عبداللہ بن مسعود نے مار کھائی، انہیں
اس قدر بے دردی سے پیٹا گیا کہ ان کا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ قرآن
سنانے کی راہ میں خون فشانی کے اس منظر کو دیکھ کر وادیٔ مکہ کی ہر
شئ لرز اٹھی لیکن فضائے حرم میں یہ آواز اس رنگ میں آج ہی
ابھری تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے۔

سورت میں نور کے اکتیس شعلے ہیں۔ یہی وہ نفحات خلود ہیں جو پڑھنے والے کو تربیت کے صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے میں آسانیاں فراہم کرتے ہیں۔ اسمائے حسنیٰ میں سے ''الرحمٰن'' کے ساتھ سورت کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ مادی اور روحانی نعمتوں کا تلاطم خیز سمندر ہے جس میں شناوری اللہ کی مدد اور ''الرحمٰن'' کی رحمت ہی سے ممکن ہو سکتی ہے۔ اس سورت عظیمہ کے روزن سے

وادیٔ نخلہ کی طرف جھانکنا آسان دکھائی دیتا ہے وہاں جنات کا ایک گروہ رحمت عالم علیہ السلام کے پاس سے گزرتا ہے، آپ نماز میں سورۃ الرحمٰن کی تلاوت کر رہے ہوتے ہیں۔ سورۃ الرحمٰن پر ایمان احساسات کو اتنا تیز اور سریع کر دیتا ہے کہ سرکش انسانوں کی ہڈیاں آتش جہنم میں جل کر جب ٹوٹتی ہیں آواز دنیا میں محسوس ہونے لگ جاتی ہے۔ جنت کی نسیم راحت بھی مشام ایمان و محبت کو تازہ رکھنے کی مسیحائی کرتی ہے۔ سورت میں الرحمٰن کی عطاؤں کے تناظر میں رحمۃ للعٰلمین بھی نظر آتے ہیں۔ کہیں ان کی سیرت مسکرا رہی ہوتی ہے، کہیں ان کا اسوۂ اپنی جلوہ گری سے مسحور کر رہا ہوتا ہے، کہیں ان کی خطابت اور بیان کی ''دل ربائی'' روحوں میں ہلچل پیدا کر رہی ہوتی ہے۔ حوض کوثر میں رحمت کے کنول جب تیرتے ہیں تو نگاہیں حورانِ باصفا کا ملکوتی نظارہ کرنے میں مگن ہو جاتی ہیں۔ عالم بالا، عالم اسفل کی بلائیں لیتا ہے اور بیچ میں دائمی سرور دینے والی دلہنیں عروسی کے میلے رچانے کی دعوت دیتی ہیں، سورۃ الرحمٰن کی نغمگی، برستی روشنیوں کی رم جھم، گرجتے بادلوں کی دف دف سازیاں، رنگوں کی برسات، عطاؤں کی گرج چمک، سورت کے باغوں میں لانبے لانبے درختوں کا دبدبہ اور گل بنفشہ تک کی خوشبوئیں، رینگتے کیڑوں کی سرسراہٹ، اُچھلتے کودتے آبشاروں کی جمال پروریاں، چنبے چنبیلی کی دھیمی ضوفشانی اور جلوے بانٹنے والی مخلوقات کی ریڈیم افشانی روحوں کو مجبور کر دیتی ہے کہ تکذیب کی کالی فضاؤں میں کلمات ایمان کا دھماکہ کر کے سچ کی دنیا کو مسخر کر لیں۔

❁❁❁❁❁

اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾
عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾
خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾
عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ ﴿۴﴾
اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ۬ۖ﴿۵﴾
وَّالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ يَسۡجُدٰنِ ﴿۶﴾

(۱) رحمتوں والا انتہائی مہربان
(۲) تعلیم دی اُس نے قرآن کی
(۳) پیدا کیا انسان کو
(۴) تعلیم دی اُسے بیان کی
(۵) سورج اور چاند ایک منظّم اور وسیع حساب رکھتے ہیں
(۶) اور ستارے اور درخت دونوں سجدہ کرتے ہیں

مفردات

اَلرَّحْمٰنُ: رحمت والا

اَلرَّحْمٰنُ ①

''رحمتوں والا انتہائی مہربان''۔

سورت کی یہ شعاعِ اول ہے، روشنی کی لازوال کرن، یہ رحمت والے کی اپنی ہی آواز ہے جس میں امتداد ہے، گونج ہے، ایک ایسی آواز جو صرف غفلت سے بیداری نہیں بخشتی موت سے زندگی کشید نے کا راز بھی بخشتی ہے۔ نظمِ سورت میں وحدت ہے لیکن ایسی وحدت جس میں ہر کثرت کا سرِّ حقیقت پنہاں دکھائی دیتا ہے۔ رحمت والا الرحمٰن اپنی مخلوق سے باتیں کرتا ہے، اپنی شناخت دیتا ہے اور اپنی صفتِ رحمت سے بار بار روشناس کراتا ہے۔ سورت کے مکرر اظہارات عالم بالا اور عالم اسفل کو کسی ایک ہی مرکز سے مربوط کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔ رحمت والے نے اپنی اس صفتِ حمیدہ سے سورۃ الفاتحہ میں بھی آواز ماری ہے لیکن وہاں رحمتِ عامہ ہے لیکن ربوبیت کے پردۂ خاصہ میں گونجتی ہے۔ وہاں ہدایت کو اور سیدھے راستے کو رحمتوں کی آبشار کے نیچے کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ انعام یافتہ لوگوں کی بارات وہاں ہی ترتیب پاتی ہے لیکن عروسی کا میلہ سورۃ الرحمٰن میں محسوس ہوتا ہے۔ وہاں رحمت کا اظہار نادیدہ خالق کی زبان سے ہوتا ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں وہ ''الانسان'' کی صورت میں رحمت کی تخلیقی صلاحیت کا مظہر علم اور قرآن پڑھنے والوں کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ وہ ذہن جس نے کہا کہ الرحمٰن کون ہے؟ الفاظ کی برجستگی، شہامت اور عُلُو کے ساتھ سورۃ الرحمٰن سرکش سائل کا جواب اس کے ضمیر اور عقل کے سامنے رکھ دیتی ہے۔

''اَلرَّحْمٰنُ'' میں رحمت کا معنیٰ بندوں پر لطف وعنایت فرمانے والا ہوگا۔ اسماعیل حقی غزالی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اللہ کا پہلا احسان تو یہ ہے کہ اس نے تخلیقِ انسانی کی نوازش کی۔

دوسرا کرم یہ ہوا کہ بندوں کے لئے ہدایت کا مستور حسن ظاہر فرما دیا۔ حسنِ ہدایت کا اگر وہ خود ہی چراغاں نہ فرماتا تو حسنِ قسمت سے محروم انسان وادیٔ ضلالت میں بھٹکتا پھرتا، یہ اس کا بے پایاں لطف و کرم ہی ہے جس نے انسان میں ظلوم وجہول رکھا تو منزل پر پہنچانے والے رہبر و پیشوا بھی رکھے۔

''سورۂ رحمٰن'' اپنے اندر نعمتوں کا لازوال تصور رکھتی ہے۔ مزیدار بات یہ ہے کہ نعمت شناسی کے اکتیس ابواب رکھے اور ان میں پہلا باب اپنے وجود کی رحمتوں کی کشود رکھی۔ اللہ لفظوں کو بھٹکنے سے بچائے سورۂ رحمٰن میں مراسم عروسی نبھانے کے لئے اپنے چہرے سے پردہ ہٹا دیا اور رحمٰن کی رحمت نے منہ دکھائی کی قیمت ''الانسان'' سے وابستگی بنا دی، اب عروسیت کا راز، رحمت کی بہار، طلب کا نکھار اور دین کا وقار وہی ٹھہرے۔ قسم حسنِ ازل کی، رحمۃ للعٰلمینی کا اصل راز یہی ہے۔

الرحمٰن کی تیسری ذرّہ نوازی یہ کہ اس نے آخرت کے روز حشور ونشور کی حکمتوں سے پردہ ہٹا دیا کہ

مفردات

کہ یہ ''الرحمٰن'' کی بات ہے۔عطا کی بھی کیا بات ہے؟''رحمت'رحمت''اور''رحمت'' کی بھی کیا بات ہے؟

در ازل پرتو حسنت ز تجلّی دم زد
عشق پیدا شد و آتش بہ ھمہ عالم زد

یہ اصل میں رحمت ہی کا نفخِ عظیم ولطیف تھا جس نے سیرتِ رحمت کو تخلیق کر دیا''ونفخ فیه من روحه''۔قرآن مجید میں تین سو سے زیادہ مقامات پر رحمت کا بارانِ علم''الرحمٰن'' کی تفسیر کا لاہُوتی آئینہ ہے جس میں مواجیدِ رحمت کا جلوہ نظر آ رہا ہے۔واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ②

عَلَّمَ: اس نے تعلیم دی
الْقُرْاٰنَ: قرآن کی

''تعلیم دی اُس نے قرآن کی''۔

یہ آیت رحمت اور اس کے مظہرِ اکبر کی بات کرتی ہے۔بلاشبہ قرآن حکیم نے ہر انفع چیز اور ہر مؤثر حرکت کو رحمت قرار دیا لیکن اس آیت کے مطابق اللہ کی رحمت کبیر قرآنِ حکیم کی تعلیم ہے۔نعمت تخلیق بھی شکر کی مقتضیٰ ہے لیکن اس سے بھی بڑی نعمت قرآن حکیم کی تعلیم دینا ہے اس لئے کہ انسان کا مقصدِ تخلیق قرآن حکیم کی تعلیم ہی سے پورا ہوتا ہے۔ابن عاشور کا یہ جملہ تخلیقی قدروں کا امین نظر آتا ہے کہ قرآن کا ہدایت نامہ اگر نور نہ بکھیرتا تو تخلیق بھی عبث ہو جاتی۔تعلیم قرآن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نسبتِ فاعلی سے زینت دی، یہ اس لئے ہوا کہ قرآن پڑھانے والے کو عزت مل جائے۔وہ اس تکریم پر اتنا خوش ہو جتنا خوش نعمت عروسی پر ایک دولہا ہوتا ہے کہ ''تعلیم قرآن'' سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی اس لئے کہ رحمٰن نے خود کو معلمِ قرآن قرار دیا۔سبحان اللہ! یہ تشرفات ازل کا جمالیاتی اعزاز ہے کہ محمد ﷺ کو تعلیم دینے والا الرحمٰن ہے، اس کرم کو کون سمجھے؟ کون جانے کہ قرآن کا تلمیذ اول عالم روحانی میں جب کوئی نہ تھا محمد ﷺ الرحمٰن سے قرآن اخذ کر رہے تھے۔''کتاب مکنون'' کا قاری حضور ﷺ کے علاوہ کوئی اور کیسے بن سکتا ہے؟

قواعد عربیہ کی رو سے ''عَلَّمَ'' بابِ تفعیل ہے۔وہ الفاظ جو اس باب میں آتے ہیں عام طور پر ان کی معنویت میں مبالغہ اور تدریج ہوتی ہے اور یہ لفظ ایک کی بجائے دو مفعول چاہتا ہے۔اس اعتبار سے ''تعلیم قرآن'' میں یہاں بالغیت یہ ہوگی کہ تعلیم قرآن کے اثرات، جلوے اور رنگ بتائے جائیں کہ ''رحمٰن'' نے اپنی رحمت کے تمام جلووں کو تعلیم قرآن سے جوڑ دیا ہے۔''تدریج'' کا معنیٰ بار بار توجہ کا ہوگا کہ رحمٰن نے اپنے تلمیذ اول کو صرف ایک بار نہیں نوازا وصالِ علم اور توصیلِ علم کے وجدانی اور نورانی لمحات عدد وشمار سے ماوریٰ ہیں۔

مفردات

کہ یہ ''الرحمٰن'' کی بات ہے۔عطا کی بھی کیا بات ہے؟''رحمت'رحمت''اور''رحمت'' کی بھی کیا بات ہے؟

در ازل پرتو حسنت ز تجلّی دم زد
عشق پیدا شد و آتش بہ ھمہ عالم زد

یہ اصل میں رحمت ہی کا نفخِ عظیم ولطیف تھا جس نے سیرتِ رحمت کو تخلیق کر دیا''ونفخ فیه من روحه''۔قرآن مجید میں تین سو سے زیادہ مقامات پر رحمت کا بارانِ علم''الرحمٰن'' کی تفسیر کا لاہُوتی آئینہ ہے جس میں مواجیدِ رحمت کا جلوہ نظر آ رہا ہے۔واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ②

عَلَّمَ: اس نے تعلیم دی
الْقُرْاٰنَ: قرآن کی

''تعلیم دی اُس نے قرآن کی''۔

یہ آیت رحمت اور اس کے مظہرِ اکبر کی بات کرتی ہے۔بلاشبہ قرآن حکیم نے ہر انفع چیز اور ہر مؤثر حرکت کو رحمت قرار دیا لیکن اس آیت کے مطابق اللہ کی رحمت کبیر قرآنِ حکیم کی تعلیم ہے۔نعمت تخلیق بھی شکر کی مقتضیٰ ہے لیکن اس سے بھی بڑی نعمت قرآن حکیم کی تعلیم دینا ہے اس لئے کہ انسان کا مقصدِ تخلیق قرآن حکیم کی تعلیم ہی سے پورا ہوتا ہے۔ابن عاشور کا یہ جملہ تخلیقی قدروں کا امین نظر آتا ہے کہ قرآن کا ہدایت نامہ اگر نور نہ بکھیرتا تو تخلیق بھی عبث ہو جاتی۔تعلیم قرآن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نسبتِ فاعلی سے زینت دی، یہ اس لئے ہوا کہ قرآن پڑھانے والے کو عزت مل جائے۔وہ اس تکریم پر اتنا خوش ہو جتنا خوش نعمت عروسی پر ایک دولہا ہوتا ہے کہ ''تعلیم قرآن'' سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی اس لئے کہ رحمٰن نے خود کو معلمِ قرآن قرار دیا۔سبحان اللہ! یہ تشرفات ازل کا جمالیاتی اعزاز ہے کہ محمد ﷺ کو تعلیم دینے والا الرحمٰن ہے، اس کرم کو کون سمجھے؟ کون جانے کہ قرآن کا تلمیذ اول عالم روحانی میں جب کوئی نہ تھا محمد ﷺ الرحمٰن سے قرآن اخذ کر رہے تھے۔''کتاب مکنون'' کا قاری حضور ﷺ کے علاوہ کوئی اور کیسے بن سکتا ہے؟

قواعد عربیہ کی رو سے ''عَلَّمَ'' بابِ تفعیل ہے۔وہ الفاظ جو اس باب میں آتے ہیں عام طور پر ان کی معنویت میں مبالغہ اور تدریج ہوتی ہے اور یہ لفظ ایک کی بجائے دو مفعول چاہتا ہے۔اس اعتبار سے ''تعلیم قرآن'' میں یہاں بالغیت یہ ہوگی کہ تعلیم قرآن کے اثرات، جلوے اور رنگ بتائے جائیں کہ ''رحمٰن'' نے اپنی رحمت کے تمام جلووں کو تعلیم قرآن سے جوڑ دیا ہے۔''تدریج'' کا معنیٰ بار بار توجہ کا ہوگا کہ رحمٰن نے اپنے تلمیذ اول کو صرف ایک بار نہیں نوازا وصالِ علم اور توصیلِ علم کے وجدانی اور نورانی لمحات عدد وشمار سے ماوریٰ ہیں۔

مفردات

رہ گیا مسئلہ دو مفعول کے اقتضا کا تو اس لفظ میں تعلیم کے تقاضے دو ہوں گے: ایک تو وہ چیز جسے سیکھا جائے دوسرا اس شخصیت کا فہم جسے علم سکھایا جائے۔ آیت میں وہ چیز تو بتلا دی گئی جو سکھائی گئی ہے ظاہر ہے وہ قرآن ہے البتہ قرآن جس کو سکھایا گیا اس کا نام ظاہر نہیں کیا گیا۔ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ نے جن کو تعلیم دی وہ تو رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اسماعیل حقی اور دیگر مفسرین نے یہی لکھا لیکن حضور ﷺ کے واسطے سے ساری مخلوقات اس میں داخل ہیں۔ یہ معنیٰ لطیف ہے کہ قرآن علوم ما کان و ما یکون کا ''قرطاس نور'' ہے۔ یہ کسی ایک قوم کی ہدایت کا ضامن نہیں ہوسکتا۔ اقوام عالم اور مخلوقات ارضی وسماوی سب کی ہدایت کا یہ داعی ہے۔ اس باب میں کسی خاص مفعول کا ذکر نہ کرنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ قیامت تک رحمٰن اور رحمت عالمیاں کا فیض اکابر اور اصاغر، روحانی اور تکوینی اور ظاہر و باطن سے تعلق رکھنے والے اربابِ علم یہ فریضہ سرانجام دیتے رہیں گے۔ دنیا اور آخرت کا سب سے بڑا اعزاز تعلیم قرآن ہے، اسی لئے اسے خواص میں آلِ رسول سے جوڑ دیا گیا ہے اور رحمتِ عامہ کے میدان میں اسے قرآن کے ہر خادم کے ساتھ مربوط کر دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

خَلَقَ: اس نے پیدا کیا
الْاِنْسَانَ: انسان کو

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝٣

''پیدا کیا انسان کو''۔

''الْاِنْسَانَ'' کی تخلیق کو رحمٰن کی نعمت کبیر کا جلوہ قرار دیا گیا ہے۔

''الْاِنْسَانَ'' سے مراد کون ہے؟

☆ پہلا قول یہ ہے کہ اس سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔

☆ دوسرا قول جو اہم اور بیان تفسیر میں صد اہمیت کے لائق ہے وہ حضرت محمد ﷺ کا ''الْاِنْسَانَ'' ہونا ہے(1)۔

☆ اور تیسرا قول عالمِ نوعِ انسانی ہے(2)۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ انسان حیرتوں کے جہاں کا شجرِ طوبیٰ ہے۔ خلاصۂ موجودات ہے اور ایسی نعمت عظیمہ ہے جس کے عالمِ اصغر میں عالمِ اکبر کا ہر رنگ، جلوہ اور ظہورِ اثر کی ہر کیفیت موجود ہے۔ یہ اپنی کُل اور اپنی جُز ہر انداز میں رحمٰن کی نعمت ہے۔ تخلیق کائنات کے بعد تعمیرِ کائنات میں اس کی تسخیر کی بڑی طولانی کہانیاں موجود ہیں۔ آغازِ وجود میں ایک بے وقعت قطرۂ آب ہے جو تعمیرِ موجودات کے ہزار رنگ نقشے اور تصویریں اپنے اندر مضمر کئے ہوتا ہے۔ تعلیم قرآن کے بعد خاص ''الْاِنْسَانَ'' کا نام لینا اس کی فضیلت بیان کرتا ہے لیکن بیان کے اختصار میں کام کا پھیلاؤ اور حسن بھی دو لفظوں میں مستور

کر دیا گیا ہے کہ تخلیق انسان میں، صلاحیتوں کا عروج تعمیر کائنات کا وظیفہ پورا کرنے کے لئے تعلیم قرآن کا محتاج ہے۔ عصر جدید میں بڑی قومیں جس طرح قتلِ انسانیت کے درپے ہوگئی ہیں سورۂ رحمٰن بتاتی ہے انہیں قرآن سیکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ ''آئینہ محمدیت'' ہے جس میں دیکھ کر ہی تعمیر کائنات اور تکمیل کائنات کے مراحل طے کئے جاسکتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ④

''تعلیم دی اُسے بیان کی''۔

جمالِ فطرت کے تمام مظاہر نظروں کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں لیکن الانسان کی تخلیقی تصویر ہی میں حسن کی رعنائیاں نہیں رکھیں اسے خاص خاص امتیازات اور تفردات سے بھی نوازا۔ ''اَلْاِنْسَانَ'' کی زبان سورۃ الرحمٰن کی عروسیت کا راز کھول دیتی ہے۔ کوئی طالب، سالک اور ناظر جو تناسب اور توازن کی حکمتیں جانتا ہو وہ ''اَلْاِنْسَانَ'' کے خطبے سن لے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے صحیح لکھا (3) کہ حضور ﷺ کی زبان آپ کی نبوت کی دلیل بھی تھی۔ آپ کی زبان سے خدا بولتا تھا۔ سورۃ الرحمٰن میں آپ کے چہرے، وجود اور بیان کو رحمت رحمٰن کی دلیل بنا دیا گیا۔ چاند کا طلوع اور اس کا اتار چڑھاؤ وہ کشش نہیں رکھتا جتنا حسنین کے نانا جب بولتے تو حسنِ تکلم کی عطر بیزیاں روحوں کو کھینچ لیتیں۔ سریلی صداؤں کا زیر و بم اور بلبلوں کا ترنم جمالِ فطرت کا محض ایک رخ ہے۔ نغمہ سنجیاں آوازوں میں مقناطیسیت بھر سکتی ہیں لیکن بیان میں وسعت، اسلوب میں لذات، تخاطبات میں کشش، اشارات میں معنویت، دعوات میں تعمق، لہجوں میں تازگی اور شگفتگی، نوازشوں میں بوقلمونی اور حروف والفاظ میں اسیر سازیاں یہ محض انہی کا حصہ ہے جن کے صفحۂ دل پر سورۂ رحمٰن نازل ہوئی۔ وہ نماز میں گلا صاف کرنے کے لئے ''کھوں کھوں'' یا ''اکھیں اکھیں'' کر لیں تو ارغنونِ ہستی کے نغمہ کو ایک نیا آہنگ مل جائے۔ وہ زبان سے سورۃ التین تلاوت کر لیں تو مذاہب کا فکری ترقص ایک ایڑی پر کھڑا ہو کر تکلم کے بادشاہ کو سلامیاں دے۔ وہ صبح کی نماز میں الحمد للہ پڑھتے تو نسیم خنداں کا دل بیٹھنے لگتا تو آپ سلام پھیر دیتے تا کہ صبح کی تازگی کچھ دیر اللہ کی کبریائی کی دلیل بنی رہے۔ وہ کسی وادیٔ بے تاب میں شام کے وقت قدم رکھ دیتے تو عصر و مغرب کے محجوب جلوے اذانوں کے خروش میں عالم انتظار میں منشر ہو جاتے اور اعلان کرتے عاشقو! دلوں اور روحوں کی تشویق کو بے قابو نہ ہونے دو، محبوب قرآن پڑھنے لگے ہیں، غور سے سنو تلاوت کی دلربائی یہ ہے تو بیان کی گہرائی کیا ہوگی؟

مفردات

عَلَّمَهُ: اسے تعلیم دی

الْبَيَانَ: بیان کی

قارئین!

سورۃ الرحمٰن اذانِ حق کے ساتھ غافل روحوں کو بیدار کرتی ہے۔ جب لوگ بیدار ہو جائیں تو وہ روحوں کی دنیا میں فہم و عشق کے سمندر موجزن کر دیتی ہے۔ اس میں کنول کے پھول کی طرح ایک سفینہ محسوس ہوتا ہے۔ جس میں الرحمٰن کا محبوب بیٹھا ہوتا ہے۔ سورۃ الرحمٰن محبت کا گیت بنا کر دل بہ دل، روح بہ روح اور سینہ بہ سینہ یہ رس گھولتی ہے۔ جذبوں، محبتوں، الفتوں، قوالیوں اور جمالیاتی مدھر گیتوں کی ہلکی سروں میں عروسیت کا میلہ رچ جاتا ہے۔ سورۃ الرحمٰن پڑھنے والا جذب وجنوں اور عقلِ دروں کے ملگجے میں مقصدیت کا خزانہ پالیتا ہے۔ اس کا نفس کہتا ہے قرآن تیرے لئے ہے تُو ربّ کی کس کس نعمت سے منکر ہوگا اور اس کی روح خوشیوں کے نعرے لگا لیتی ہے۔ مجھے نہیں معلوم سب کچھ الرحمٰن ہے، قرآن ہے اور رحمۃ للعٰلمین ہے سورۃ الرحمٰن کا راز یہی ہے۔

بیان پر مفسرین نے کیا لکھا؟

وہ بھی نذرِ قارئین کیا جاتا ہے تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ پھل کھا کر گٹھلی پھینک دی گئی ہے۔ یہاں تو عجوہ کھجور کی طرح ہر شئی لذیذ ہے، لطیف ہے، دلپذیر اور مفید ہے، ہر گلے را رنگ و بو دیگر است

بولنے والا ایک لفظ کیسے بولتا ہے؟ یہ ایک پیچیدہ عمل ہے جس کے کئی مرحلے ہیں، سلسلے ہیں، وقوف ہیں اور تحرکات اور آلات ہیں۔ پہلے دلوں میں اور ذہنوں میں ایک ارادہ جلوہ گر ہوتا ہے۔ انسان کے اندر ایک طلب موج مارتی ہے اور لفظ بولنے کے لئے انسان تڑپنے لگ جاتا ہے۔ احساس، ارادہ، طلب، تڑپ شعور کامل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ادراک شعور کے دروازے پر دستک دیتا ہے، شعور عقل کا وسیلہ پکڑ لیتا ہے اور عقل روح سے کُن کی چابی مستعار لیتی ہے۔ یہ باذن اللہ کی جلوہ گری کا لمحہ لطیف ہو جاتا ہے۔ یہاں مغز اپنے مخفی لشکروں کا نمائندہ بن کر اعصاب کے ذریعے مطلوب لفظ کو بولنے کا حکم صادر کرتا ہے، پھر لفظ اپنے الہامی مفہوم کو کامل معنویت کے ساتھ القا کا سفر مکمل کروا لیتا ہے۔ یہاں پھیپھڑے مقدار ضروریہ کے ساتھ ہوا عطا کرتے ہیں، وہ کئی مرحلوں اور منزلوں سے گزر کر زبان اور حلق تک پہنچتی ہے۔ یہاں کئی صوتی دھاگے موجود ہوتے ہیں، یہاں ہوا حلق میں ایک آواز پیدا کرتی ہے اور یہ آواز صوتی دھاگوں کے ذریعے عقل کی رہنمائی میں بیان کا عمل اختیار کرتی ہے۔ یہاں دقیقوں اور لحظوں میں فیصلہ ہوتا ہے کہ آواز پست ہو یا بلند ہو، مترنم ہو یا منتشر ہو، میٹھی ہو یا کڑوی اور تلخ ہو، معنویت سرسری ہو یا گہری ہو، تیز ہو یا سست ہو، سخت ہو یا نرم ہو۔ یہاں زبان کے رقص غلامی میں شرکت کے لئے ہونٹ، جبڑے اور دانت بھی ساتھی بن جاتے ہیں۔ رخساروں کے باطنی دباؤ سے آوازیں معنویت اور مخارج کا روپ دھار لیتی ہیں۔ یہاں اگلا مرحلہ لفظوں کو عبارات اور فقروں

میں بدلنے کا ہوتا ہے اس سمائے ادب پر موضوعِ سخن طے ہوتے ہیں۔ فکر و تامل بیان بنتے ہیں اور انسان کے چھوٹے سے ''دہن گلیچہ'' سے بیانات، بولیاں اور گفتگوئیں ایک جہاں بن جاتی ہیں۔ کہتے ہیں آدم علیہ السلام سات لاکھ بولیاں جانتے تھے۔ آدم کی تسخیرات کا عالم یہ ہے تو ''کان و مایکون'' کی شان رکھنے والے کی کیفیت کیا ہوگی؟

سورۃ الرحمٰن اللہ کی انہی نعمتوں پر احساس شکر پیدا کرتی ہے اور انسان کو سکھاتی ہے کہ وہ بیان کی صلاحیت کو رحمت کے آستاں تک پہنچانے کے لئے استعمال کرے۔

❁❁❁❁❁

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۵

''سورج اور چاند ایک منظّم اور وسیع حساب رکھتے ہیں''۔

سورج اور چاند دونوں کائناتی حساب اور نظام کے تحت فیض اور افادۂ عام کا سرچشمہ بنے ہوئے ہیں۔ آیت میں رحمٰن جس نے قرآن کی تعلیم کے ساتھ ''الْاِنْسَانَ'' کو عروجِ آدمیت کا دولہا بنایا، اس کی عطاؤں، انعامات اور نعمتوں کی منظر کشی کی اور سورج اور چاند کے نظامِ افادہ کی مثال قاریٔ قرآن کے سامنے رکھی، اس طرح قابل غور نکات تین ٹھہرے:

☆ سورج اور اس کا نظام

☆ چاند اور اس کا نظام

☆ دونوں کا تکوینی اِتّصال، حسابی نظام میں ان دونوں کا کردار

''سورۃ الرحمٰن''، حسن و جمال کا علمی، فکری اور انقلابی مرقع ہے لیکن اس کے اندر اکتیس مرتبہ انسانوں اور جنات سے جو سوال کیا گیا ہے وہ ربّ کی نعمتوں کے بارے میں ہے۔ ایک ہی سوال کا بار بار تکرار دراصل دونوں مخلوقات کو اللہ رحمٰن کا نظام ربوبیت سمجھانا ہے۔ اگر یہ بنیادی نکتہ روح میں اتر جائے تو پھر سورت اور آیت کا مطالعہ قدرے آسان ہو جاتا ہے۔ ربوبیت کے جلوے دیکھنے کے لئے کہ سہ لفظی آیت متعلقات کے ساتھ غور و فکر کا عنوان بن جاتا ہے۔

سورج کا وجود تکوین ارضی اور تکوین سماوی میں ایک بڑی نعمت ہے۔ سورج سے نور، حرارت اور حرکت حاصل کئے بغیر نظام شمسی میں زندہ رہنا غیر ممکن ہے۔ اصل میں زمین کی بوقلمونیوں اور انقلابات میں جو حرکت اور روشنی محسوس ہوتی ہے اس کا اصل سرچشمہ سورج ہے۔ پھولوں کا چٹکنا، سبزہ کا اُگنا، بارانِ رحمت کا برسنا، نسیم صبح کا مسکرانا، شفقِ شام کا نوحہ کناں ہونا، فصلوں کا پیدا ہونا، لیل و نہار کا بحرِ اوقات میں مد و جزر اٹھانا سب سورج کا فیض ہے۔

مفردات

اَلشَّمْسُ: سورج

وَالْقَمَرُ: اور چاند

بِحُسْبَانٍ: حساب سے ہیں

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ﴿۷﴾

اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴿۸﴾

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿۹﴾

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴿۱۰﴾

فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴿۱۱﴾ ۖ

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾

(۷) اور آسمان کو بلند اُسی نے کیا اور اس میں میزان رکھا

(۸) تا کہ تم میزان یعنی قانون میں زیادتی نہ کرو

(۹) اور وزن کو قائم رکھو انصاف اور عدل کے ساتھ اور ''میزان'' کو کم نہ رکھو

(۱۰) اور زمین کو مسخر کر دیا مخلوق کے لئے

(۱۱) اس میں طرح طرح کے عظیم پھل ہیں اور درخت ہیں شگوفوں والے

(۱۲) اور بیج ہیں جن سے پودے نکلتے ہیں اور خوشبودار گھاس ہے

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ﴿۷﴾ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴿۸﴾

''اور آسمان کو بلند اُسی نے کیا اور اس میں میزان رکھا، تا کہ تم میزان یعنی قانون میں زیادتی نہ کرو''۔

ان آیات میں تکوینی عدل، توازن، تناسب اور انصاف کی مثال آسمان کے قیام وعدل کی صورت میں دی گئی ہے۔ یہاں توازن اور عدل کے لئے صرف آسمان کا نام لیا یا تو ترتیب سے پہلے آسمان کا ذکر کیا گیا بعد ازاں زمینی نعمتوں کا ذکر ہوا یا پھر اہل زمین کی توجہ مشاہدۂ آسمان کی طرف مبذول کرائی کہ تمہارے لئے آسمان مرکزِ فکر کی طرح ہے تم اس کے تکوینی نظام سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہو۔ آسمان میں سقف کی صورت میں جلوہ گری ہوئی اور اللہ نے اس میں عدل رکھا۔

علامہ بقاعی لکھتے ہیں (14):

> ''آسمان اور زمین پہلے دونوں ملے ہوئے تھے پھر اللہ نے آسمان کو بلند کر کے سقف مرفوع کر دیا اور زمین کو سامانِ حیات سے نواز کر موجودہ صورت دے دی''۔

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں (15):

> ''آسمان کی بلندی باعتبار اس کے رتبہ اور محل کے ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ آسمان کا مقام اونچا ہے اور زمین سے اس کا رتبہ بلند ہے۔ کشاف نے اس کی صورت یہ نقل کی کہ اللہ کے اوامر اور نواہی اور احکام ومقادیر آسمان ہی سے نزول کرتے ہیں اور مقدس فرشتوں کا مقام بھی آسمان ہی ہے''۔

مجاھد کہتے ہیں کہ اس جگہ میزان سے مراد قیامِ عدل ہے۔ قتادہ اور ضحاک کہتے ہیں کہ ''اَلْمِيْزَانَ'' سے مراد یہاں مقادیر معلوم کرنے کا آلہ ہے۔ یہ وزن کرنے کا ترازو ہو یا ناپنے کا گز تعیین مقدار کی ہر چیز میزان ہوگی (16)۔

آسمان کچھ بھی ہو، حسی نیلگوں چھت ہو یا زمین کے گرد ایک متناسب فاصلہ پر حفاظتی غلاف ہو، زمینی زندگی کے ساتھ اس کا تعلق گہرا ہے۔ کائنات کی دیگر اشیاء کی سورت جو آسمان کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہ میزان حق پر قائم ہے، مقصود اس اشارے کا یہ ہے کہ غافل انسان اپنی غفلت سے باہر

مفردات

وَالسَّمَآءَ: اور آسمان
رَفَعَهَا: اسی نے بلند کیا
وَوَضَعَ: اور قائم کیا، اور رکھا
الْمِيْزَانَ: ترازو
اَلَّا: تا کہ نہ
تَطْغَوْا: تم تجاوز کرو
فِي: میں
الْمِيْزَانِ: ترازو کے ساتھ تولنے میں

نکلیں اور سمجھیں کہ آسمانی متوازن نظام کا خالق طاقت ور ہاتھ رکھتا ہے، وہ جلال وقدرت والا ہے۔ آسمان میں کروڑوں اجرام تسبیح میں لگے ہیں۔ وہ اللہ کے سامنے مسخر ہیں، سرافگندہ ہیں، ان میں تصادم نہیں ہوتا۔ کہکشانیں بجلی کی سی تیزی کے ساتھ متحرک ہیں ان میں ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام اجرام کو معمولی ذرّوں کی طرح میزان حق کا پابند کیا ہوا ہے کہیں کوئی خلل نہیں۔ اس میزان حق و عدل کو اللہ نے زمین والوں کے سامنے رکھ کر کہا سرکشی نہ کرو اور وزن کو قائم کرو، آوارہ ذرّہ نہ بنو حق، عدل اور انصاف قائم رکھو۔ جہالت، خودغرضی، حماقت، آوارہ خواہشیں میرٹ برباد کر دیتی ہیں۔ اس لئے تمہیں سختی سے ہدایت کی جاتی ہے کہ تم تکوین عدل کے ساتھ تشریعی عدل قائم کرو تا کہ خدائی ترازو تمہاری وجہ سے خراب نہ ہو ورنہ درستگی کے لئے تو اس کا اشارہ ہی کافی ہے۔ آسماں کی ساری کہکشانیں اربوں اجرام کے ساتھ تمہاری خاطر ہم آہنگ فطرت ہو رہی ہیں اور تم ترازو توڑنے کی سرکشی کر رہے ہو۔ تمہارے بادشاہ، تمہارے ملوک اور تم سب اپنی دولتوں سمیت آسمانی چکی کا ایک دانہ بھی نہیں بنتے، کہیں پس نہ جاؤ، آسمانی ہدایت کے سامنے تم بھی شمس وقمر کی طرح سجدہ کناں ہو جاؤ۔ عدل اور حق کے قائم کرنے کے لئے جو کہا جاتا ہے وہ مان لو، سرکشی نہ دکھاؤ، خیر اور بہتری اسی میں ہے۔

''اَنْ لَّا تَطْغَوْا'' میں ''اَنْ'' مصدر یہ ہے اور ''لَّا تَطْغَوْا'' مضارع منفی ہے یعنی اللہ نے میزان قائم کر دی ہے تا کہ تم لوگ حق سے تجاوز نہ کرو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ''اَنْ'' تفسیر یہ ہے اور ''لَّا تَطْغَوْا'' صیغہ نہی ہے یعنی اللہ نے حکم دیا ہے کہ تم وزن میں حق سے تجاوز نہ کرو۔

علامہ اسماعیل حقی نے ''الْمِيْزَانَ'' کا معنیٰ قرآن بھی لکھا ہے مفہوم یہ ہوگا کہ اس کی تعلیمات سے تجاوز نہ کرو۔

❁❁❁❁❁

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝

''اور وزن کو قائم رکھو انصاف اور عدل کے ساتھ اور ''میزان'' کو کم نہ رکھو''۔

آیت تربیت دیتی ہے کہ وزن عدل کے ساتھ قائم کرو۔ انفرادی زندگی اور قومی اجتماعی زندگی کا حسن اوزان کا عدالت پر قائم رکھنا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں رقم طراز ہوتے ہیں (17):

''حضرت عثمان اور حضرت حکیم بن حزام باہم چھواروں کی خرید وفروخت کرتے تھے اور چھوارے بوریوں میں

مفردات

وَاَقِيْمُوا: اور قائم رکھو

الْوَزْنَ: وزن

بِالْقِسْطِ: انصاف کے ساتھ جس کا جو حصہ بنتا ہے اسے وہ دے دو

وَلَا تُخْسِرُوا: اور نہ گھٹاؤ

الْمِيْزَانَ: تول کو، ڈنڈی نہ مارو، میرٹ برباد نہ کرو

مفردات

بند کر دیتے تھے۔ کسی تیسرے شخص کے ساتھ اگر سودا ہوتا تو وہ اسی طرح مال حوالے کر دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت فرما دی اور حکم صادر کیا کہ فروخت ماپ تول کے بعد ہونی چاہئے"۔

علامہ اسماعیل حقی نے فرمایا(18):

"وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ" میں اس طرف بھی اشارہ ہو رہا ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے جمیع اقوال اور افعال میں عدل و انصاف کو مدنظر رکھے"۔

"وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ" کے مفسرین نے دو مطلب لکھے ہیں: ایک تو یہ ہے کہ ماپ تول میں کمی نہ کرو یعنی ڈنڈی نہ مارو، عدل کی مراعات کا لحاظ رکھو اور دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ وزن، میزان اور میرٹ تباہ کر کے آخرت کا نقصان نہ کرو یعنی جو نیکیاں تمہیں آخرت میں خزانہ بن کر مسرور کرنے والی ہیں ان میں گھاٹا نہ کرو۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۙ﴿۱۰﴾

وَالْاَرْضَ: اور زمین کو
وَضَعَهَا: اس نے خاص رکھ دیا اس کو یعنی زمین کو
لِلْاَنَامِ: مخلوقات کے لئے، ذریت آدم اور دیگر مخلوق کے لئے

"اور زمین کو مسخر کر دیا مخلوق کے لئے"۔

سورۃ الرحمٰن کا جمالیاتی تحرک آسمان سے زمین کی طرف فوراً اپنا رخ پلٹ لیتا ہے اور انسان کو احساس دلاتا ہے کہ یہ کُرۂ خاکی نعمتوں کا وہ فطری عطیہ لئے ہوئے ہے جو کہیں اور نہیں۔ خالق کائنات نے زندگی کے سارے لوازمات، اسباب اور رحمتیں یہاں مخلوقات کے لئے وضع کر دی ہیں۔ آسمان کے لئے "رفع" کا کلمہ اور زمین کے لئے "وضع" کا لفظ لطافت اور مسرت کے دریچے کھول رہا ہے۔ فطرت کا ہاتھ یہاں "انام" اور مخلوقات کی مہماں نوازی کر رہا ہے کہ اللہ نے زمین میں کیا کیا رکھا ہے اور وہ کیا ہے جو نہیں رکھا ہے۔ قرآن مجید نے زمین کو "گہوارہ" سے بھی تشبیہہ دی ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ ایک اطمینان بخش اور آرام دہ مقام ہے۔ انسانی طبیعت کی یہ عجیب تر کمزوری ہے کہ جب تک وہ کسی نعمت سے محروم نہیں ہو جاتا اس کی قدر و قیمت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتا۔ زمین جو کچھ مخلوق کو دے رہی ہے اس کے فیضانِ اثر کو بھی صحیح محسوس نہیں کیا جا رہا۔ ایک زلزلے کا جھٹکا پڑ جائے تو زمین میں گہوارۂ رحمت کے اطمینان کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ زمین اپنی کہکشانوں کے ساتھ جس تیزی سے متحرک ہے اگر انسان کو اس کا اندازہ ہو جائے تو اپنی قیمت خود

متعین کرسکتا ہے کہ یہاں انسان کی حیثیت ایک ''ذرۂ ناچیز'' کی ہے لیکن پالنے والا اسے پال رہا ہے، دینے والا اسے دے رہا، نوازشوں سے مالا مال کرنے والا انسان کی جھولی بھر رہا ہے۔ سورت کا یہ مختصر خطبہ انسان میں احساس نعمت پیدا کر رہا ہے۔ زمینی زندگی کے جمالیاتی مناظر سے مستفید ہونے کے لئے پورا قرآن حکیم بھرا ہوا ہے لیکن دیکھنے والے محسوس کر سکتے ہیں کہیں صبحیں اپنی خوشبوؤں کو بکھیر کر گزر جاتی ہیں اور کہیں چاندنی حسن افروزیوں کے ساتھ نکھرتی رہتی ہے۔ انسان مصنوعی آسائشوں کے لئے ترستا رہتا ہے اسے روحانی جہاں کی عطاؤں کا اندازہ ہی نہیں۔

میں جب درِ رحمت سے اس آیت کی تفسیر مانگ رہا ہوں تو میرے سامنے اللہ کا گھر کعبہ ہے۔ میزاب رحمت سے بہنے والے جلوے ایمان افروز ہیں۔ میزاب کے عین اوپر چاند ہے جو آب وتاب کے ساتھ دعوتِ نظارہ بنا ہوا ہے۔ میرے چند ساتھی بھی خیرات لینے میں میرے رفیقِ خلوص ہو کر ربّ سے مانگنے میں مشغول ہیں۔ لگتا ہے چاند بار بار جھک کر میزابِ رحمت سے بہنے والی روشنی سمیٹ رہا ہے۔ ربّ نے زمین کو انسانوں کی ضرورتوں کے لئے مسخر ہی نہیں کیا مزین بھی کیا ہوا ہے۔ تخیّلات نے دعائیہ ہاتھوں پر رحمت کا ہاتھ مارا ہے، ایک جھٹکے کے ساتھ بیمارِ طلب کے کشکول میں کسی نے سچ سے کچھ ڈال دیا ہے۔ ہجومِ عاشقاں میں ایک آواز آئی ہے ''وہ دیکھو علی کعبے کے اندر سے باہر آرہے ہیں اور ہاتھ میں قرآن ہے، ان کی پیٹھ کے لئے ابراہیم، اسماعیل اور رحمت عالم ٹیک بنے ہوئے ہیں''۔ مجھے کسی نے ہلایا اور دفعتہً میری زبان پر سورۃ الرحمٰن کی یہ آیت جاری ہوگئی، اللہ نے زمین کو زندگی کا سبب بنا کر وضع کر دیا ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تراب الارض پر بسنے والوں کے لئے ابوتراب ہی روحانی قیادت کا بندوبست فرما سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ قیامت تک پاکیزہ نسمات اور روحیں ان کی نسل میں سے قرآن کی مشعل ہاتھ میں لے کر لوگوں کی روحانی بھوک دور کرتی رہیں گی۔

آیت میں ''انام'' ہر جاندار کو کہا جاتا ہے جو زمین پر زندگی گزارتا ہے۔ علامہ بیضاوی نے اس کا معنیٰ ہر ذی روح کیا ہے۔ آیت میں ''انام'' سے مراد جنات اور انسان دونوں ہیں، مفسرین نے اس کی صراحت بھی کی ہے اور یہی درست ہے۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

فِیْهَا فَاكِهَةٌ ۖ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴿۱۱﴾

''اس میں طرح طرح کے عظیم پھل ہیں اور درخت ہیں شگوفوں والے''۔

علامہ راغب اصفہانی المفردات میں لکھتے ہیں (19):

''فَاكِهَةٌ'' ہر قسم کے پھل کو کہتے ہیں''۔

فِیْهَا: اس میں، اشارہ زمین کی طرف ہے

فَاكِهَةٌ: پھل

وَّالنَّخْلُ: اور کھجور

ذَاتُ الْاَكْمَامِ: غلاف والی

مفردات

بعض مفسرین نے ''فَاكِهَةٌ'' کا اطلاق صرف کھجور پر ہی کیا ہے۔
مفتی محمد شفیع معارف القرآن میں لکھتے ہیں(20):

''ہر وہ پھل ''فَاكِهَةٌ'' ہوتا ہے جو غذا لینے کے بعد عادۃً تفریح کے لئے کھایا جاتا ہے۔اس اعتبار سے دوپہر اور شام کے کھانوں میں جو پھل تفریح کے لئے سجائے جاتے ہیں وہ ''فَاكِهَةٌ'' ہوتے ہیں ۔ رمضان المبارک میں جیسے افطار میں کھجور توجہات کا مرکز بنی ہوتی ہے اس کے ''فَاكِهَةٌ'' ہونے سے کون انکار کرے گا''۔

''اَلْاَكْمَامِ ، کم'' کی جمع ہے اس کا معنیٰ غلاف ہوتا ہے اور اگر اسے ''کَم'' پڑھا جائے تو آستین کو کہہ دیتے ہیں جن میں ضرورۃً انسان اپنے ہاتھوں کو چھپا لیتا ہے۔رات کو جو ٹوپی موسم کی رعایت کے ساتھ سر پر پہنی جائے عموماً یہ سردیوں میں پہنی جاتی ہے اسے ''شب کلاہ'' کہتے ہیں وہ بھی ''کُمّہ'' کہلاتی ہے۔یہ چونکہ سر کو مکمل ڈھانپ لیتی ہے اس لئے اسے ''کُمّہ'' کہتے ہیں۔

کھجور کو ''ذَاتُ الْاَكْمَامِ'' کہا گیا ہے اس پر مفسرین کی رائے ملاحظہ ہو:

سید امیر اپنی تفسیر مواہب الرحمٰن میں خامہ فرسا ہوتے ہیں اور یہی باتیں تفسیر نمونہ نے بھی لکھیں اور زبیدی حنفی نے بھی ان خیالات کا اظہار فرمایا ہے(21):

''کھجور کے درخت کے بارے میں اس صفت کا انتخاب اس لئے ہوا ہے کہ شروع میں وہ ایک غلاف میں مبتلا ہوتا ہے اس کے بعد وہ غلاف کو چیرتا ہے اور پُرکشش انداز میں ایک خوبصورت خوشہ باہر نکلتا ہے۔ممکن ہے اس کی حیرت ناک خوبصورتی کی بنا پر اسے ''ذَاتُ الْاَكْمَامِ'' کہا جاتا ہو جیسے ایک خوبصورت دوشیزہ نقاب پلٹ کر اپنے تابناک چہرے سے مسحور کر دیتی ہو۔خوشہ نخل اپنی جاذبیت کے ساتھ روح میں اترتا ہے اور وہ منفعتیں جو خلاقِ فطرت نے اس غلاف میں رکھی ہیں وہ بھی بیان نعمت میں توجہ کی دعوت دیتی ہیں۔کھجور کا غلاف شکم مادر کی طرح ہوتا ہے جو کھجور کے بچوں کو اپنے اندر پرورش کے

مفردات

مراحل سے گزارتا ہے۔ جب وہ روشنی کی حدت، دھوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی برداشت کرنے کے قابل ہو جائے تو دھیرے دھیرے غلاف ایک طرف ہٹ جاتا ہے۔ درخت کی یہ خاص وضع کہ پہلے وہ برقعہ میں ہوتا ہے پھر وہ خوشہ کی شکل میں باہر آتا ہے یہ کیفیت اس پھل کو چننے اور توڑنے میں مدد دیتی ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے ثمرات کی بجائے فاکہات کو نعمت کی رَو میں لاکر بیان کیا ہے۔ کسی پھل کا جنگل میں ہونا بھی نعمت ہے لیکن جب وہ کھانے کے لئے فاکہہ بن کر میسر ہو تو احساس پر نعمت کی چوٹ تو اسی وقت محسوس ہوتی ہے۔

❁❁❁❁❁

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾

"اور بیج ہیں جن سے پودے نکلتے ہیں اور خوشبودار گھاس ہے"۔

سورۂ رحمٰن میں کرۂ خاکی میں انسانوں اور جنوں کے لئے نعمتوں اور رحمتوں کے تین قسم کے سلسلے بیان کئے گئے ہیں:

(1) روحانی نعمتیں

(2) تکوینی نعمتیں

(3) اور ایسی نعمتیں جو روحانی اور مادی ہر اعتبار سے انسانوں کے لئے منفعت بخش ہیں۔

یہاں اس آیت میں غذائی نعمتوں میں بیان تتمّہ لئے ہوئے ہے۔ زمین میں اُگتے حبوب کی نعمت بیان ہوئی۔ وہ دانے جن پر بھُسی ہوتی ہے اور پتیاں اور ڈنٹھل بھی اپنے جاذب نظر وجود کے ساتھ منفعت کا ساماں لئے ہوتی ہے۔ گندم کا دانہ ہے یا چنا ہے یا مختلف قسم کی پھلیاں ہیں ان کے اندر سے دانہ انسانی خوراک ہوتی ہے اور بھوسہ حیوانوں کی خوراک بنتا ہے، کوئی چیز غیر نافع اور بے کار پیدا نہیں کی گئی۔ تین لفظوں پر مشتمل آیت نے غذاؤں اور دواؤں کو ایسے اپنے اندر سمولیا ہے جیسے آسمان اربوں ستاروں کو اپنی آغوش میں لئے ہوتا ہے۔

مفسر کلبی کہتے ہیں (22) کہ زراعت میں سے جو پتیاں اور ساگ وغیرہ کھائے جاتے ہیں وہ "**عصف**" ہیں اور جو دانہ کھایا جاتا ہے وہ "**ریحان**" ہے۔ فراء لکھتے ہیں جو پتیاں نہیں کھائی جاتیں وہ "**ریحان**" ہیں۔ بعض احادیث کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ خوشبو دینے والے پھول اور

وَالْحَبُّ: اور دانہ، بیج مجاز میں غلے اور اناج کے لئے استعمال ہوتا ہے

ذُو الْعَصْفِ: "**عصف**" اس بھوسے کو کہتے ہیں جس کے اندر دانہ پیک کیا ہوتا ہے

وَالرَّيْحَانُ: خوشبودار پتیاں، روزی اور رزق، مغز اور اس طرح کی دوسری چیزوں کے لئے استعمال ہونے والا کلمہ

پتیاں "ریحان" ہیں۔حضرت ابن عباس سے منقول ہے۔قرآن مجید میں جہاں "ریحان" مذکور ہے اس سے مراد رزق ہے۔ "ریحان" کا معنیٰ مغز بھی کیا گیا ہے۔وہ ماکولات جو ذائقہ اور خوشبو کے لئے استعمال ہوتے ہیں نیاز بو، پودینہ، بنفشہ، کاچ ماچ اور نمک ساگ، تمبر کے پتے یہ "ریحان" ہیں۔ لیموں کی خوشبو اور ذائقہ دونوں حیات بخش اور راحت بخش ہونے کے ساتھ ساتھ صحت بخش بھی ہوتے ہیں۔جن مفسرین نے "ریحان" کا معنیٰ رزق کیا ہے ان کے قول میں وسعت ہے۔مچھلی اور گوشت کی نعمتیں بھی "ریحان" میں داخل ہوجاتی ہیں۔عام مفسرین کو تو "ریحان" میں یہ لذت بخش حدیث لکھنا بھول گیا ہے لیکن حدیث تو ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حسن اور حسین رضی اللہ عنہما میرے دو جنتی ریحان ہیں''۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسا اوقات ان دونوں کو سونگھتے بھی تھے۔اس حدیث کی معنویت میں تو شخصی کردار کی خوشبوئیں بھی شامل ہیں ممکن ہے یہ معنیٰ بھی مراد ہو:

حسن اور حسین رضی اللہ عنہما

دونوں کی ذات میں صالح اور نیک اولاد کے حبوب رحمت ہیں

دونوں میں جنت کی خوشبو ہے

دونوں اُمت کے لئے معنوی رزق کے مہتمم ہیں

دونوں میں عظمت فکر کی روزی ہے

دونوں امت کا دماغ ہیں

گلوں اور پھولوں میں وہ لطافت نہیں جو لطافت اور طہارت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لعلوں میں ہے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ ان دونوں ہی کو اپنی اولاد سے تعبیر کیا

بلاشبہ ان دونوں ہی کی اولاد سید ہے، شریف ہے اور عترت ہے

انہی کی خوشبوئیں جنت کا رنگ وروغن بنا ہے۔

لیموں کی خوشبوئیں نعمت ہے، گل بنفشہ کی مہک نعمت ہے، پودینہ کی پتیوں کو چھو کر ''دھیمی نفخت'' سکونِ جان کا پیغام دیتی ہے۔عرقِ گلاب دوا بھی ہے اور پیغامِ صحت بھی ہے۔گلِ نرگس میں روشنی کی طلب مثال بھی ہے اور نرگسیت فکر ونظر کا جنون بھی ہے، شبنم گریاں جب کسی کاہِ سبز کو غسل دے تو تازگی کی رحمت نسیم جنت محسوس ہوتی ہے۔خوشبو کبھی رنگ میں اتر آتی ہے اور کبھی رنگ خوشبو بن کر بکھر جاتے ہیں۔ریحانیت رنگ ہو یا خوشبو، مہک ہو یا رحمت کی لہر، جلوہ ہو یا روزی، حسن ہو یا حسین رضی اللہ عنہما، لطافت ہو یا تازگی اور طہارت ہو یا نوازش نعمت ہے، نعمت ہے اور پھر نعمت ہے۔قرآن پوچھ رہا ہے تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کی تکذیب کروگے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ لا
وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ ج
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾
رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ ﴿۱۷﴾ ج
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾

(۱۳) تم دونوں اپنے ربّ کی کون کون سی اور کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے
(۱۴) اُس نے انسان کو پیدا کیا ٹھیکری ایسے کھنکتے گارے سے
(۱۵) اور اُس نے جنّوں کو پیدا کیا مختلف قسم کے آتشی شعلوں کو ملا کر آگ سے
(۱۶) (اے جنوں اور انسانوں کے گروہ) تم اپنے ربّ کی کون کون سی نعمت جھٹلاؤ گے
(۱۷) پروردگار دونوں مشرقوں کا اور پروردگار دونوں مغربوں کا
(۱۸) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے

مفردات

فَبِاَیِّ: تو کس کس، یہ استفہام تقریری ہے، اس میں دلچسپ نکات تفسیر وتعبیر میں آرہے ہیں

اٰلَآءِ: نعمتیں

رَبِّكُمَا: تم دونوں اپنے ربّ، اس میں ''کما'' ضمیر کا اشارہ جنوں اور انسانوں کے گروہ کی طرف ہے

تُكَذِّبٰنِ: تم دونوں جھٹلاؤ گے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾

''تم دونوں اپنے ربّ کی کون کون سی اور کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

یہ چہار لفظی روحانی نغمہ ہے وہ لوگ جو مذہب کی جان ربّ شناسی سمجھتے ہیں یہ ان کی محبت کا وجدانی گیت ہے جس میں استفہام ہے، پیار ہے اور احساس کی تلقین ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے زبور پڑھی ہے وہ جانتے ہیں زبور کی ساری مقناطیسیت اس کے محبت بھرے نغمے ہیں۔ قرآن مجید شاعری نہیں لیکن محبت اور پیار کی ہلکی دھنیں جو انسان کو جھنجھوڑتی بھی ہیں اور دلا سے بھی دیتی ہیں سورۃ الرحمٰن کی زبر، زیر، پیش اور شدّ مدّ میں موجود ہیں۔ یہاں انسانی ذہن رکتے بھی ہیں اور چلتے بھی ہیں، دوڑتے بھی ہیں اور ٹھہرتے بھی ہیں۔ وجدان اور روح اچانک اتنی اونچی اڑان لیتے ہیں کہ رضوانِ جنت ان کے لئے جنت کی کھڑکیاں کھول دیتے ہیں۔ دفعتً احساسِ گناہ لمبی سی زنجیر بن جاتی ہے اور گناہ گار انسانوں اور جنوں کو گرفتار کر کے دوزخ میں جا پٹختی ہے۔ سورۃ الرحمٰن کا اسلوب ناولوں اور افسانوں کا نہیں حقیقت شناسوں کا ہے۔ اس میں قرب کے جلوے ہیں اور نور کی شعاعیں ہیں، جلتی آگ کے شعلے ہیں اور ارغوانی رنگ کے دوشالے پہنے جنّتی زندگی کے خدام اور حوریں بھی سبز پوشاکیں لئے کسی کو خوش کرنے کے لئے محوِ انتظار ہیں۔ سورۂ رحمٰن کی آیتوں سے فیض کے جھرنے پھوٹتے ہیں، حیاتِ ابدی کی آبشاریں اچھلتی کودتی ہیں۔ یہاں رنگوں کا میلہ رچتا ہے اور مدھر گیت دلوں کی تاروں پر چھڑ جاتے ہیں۔ سورت کے رنگ عروسیت میں پیار کی بلائیں لینے سارے جِنّات اور انسان محوِ تماشا ہو جاتے ہیں اور انتظار کرتے ہیں حسن ازل اور رحمت دھرم کی دلہن ابھی چہرے سے نقاب سرکا دے گی لیکن یہ دونوں گروہ نور وادی میں جا پہنچتے ہیں۔ یہاں نقاشِ فطرت ان کے لئے نعمتوں اور وصل وصال کے اکتیس دریچے وا کر دیتا ہے، جہاں دونوں ثقلین کو ان کا ربّ اپنے سامنے بٹھا لیتا ہے اور فہم واحساس کی روشنی ان پر انڈیل کر ان سے پوچھتا جاتا ہے تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے، بتلاؤ تو سہی۔

شعاع اول کے مشمولات

سورۃ الرحمٰن کے سورج سے پہلی شعاع پھوٹتی ہے تو اس میں جن نعمتوں، برکتوں اور رحمتوں کا چہرہ نظر آتا ہے:

(1) رحمٰن کی عطائے رحمت وبرکت

(2) تعلیم قرآن

(3) تخلیق انسانیت

(4) تعلیم بیان

(5) عصور ودھور میں ایک منظم حسابی لہر جس کے مظاہر زمین آسمان ہر مقام پر دیکھے جاسکتے ہیں

(6) درختوں کی جاذبیت اور منفعت اور انسانی شجروں میں فضیلتوں کی لطافت

(7) بیل بوٹے، رنگ اور گلوں پھولوں کی خوشبو

(8) زمین کی وضع، اپنی کہکشانوں کے ساتھ اس کا مجذوبانہ دور، حرکت اور نعمتوں کا نظام

(9) کھجور کی لذت اور اس کی ولادت کا انوکھا تمثّل، خوش ذائقہ پھلوں اور پھولوں کی کریمانہ عطائیں

(10) آسمانوں کی تخلیق اور ان میں قوانین کی حاکمیت

(11) انسانی تربیت کے روحانی مظاہر

(12) ستاروں کی جھلملاہٹ

(13) میزان حق کا قیام

(14) نظام عدل کا قیام اور کردار کی مرکزیت

(15) میرٹ کی اہمیت اور فضیلت

(16) کچھ کرنے والے اصحاب صلاحیت لوگوں کی تعریف

(17) پھلوں، گلوں اور پھولوں میں رازِ مستوریت

(18) نعمت شناسی اور خدا شناسی کا ارتباط

(19) حسن کے میلے، عروسیت کے مراسم اور جذبوں کا ابھار

(20) احساسیت کے نازک ابواب پر فہمائش کی چوٹیں

(21) عقل والوں اور محبت والوں سے خطابات اور ان کی لذت

(22) رحمت کی تلاش اور اس کا تقدّس

(23) تعلیم کی اہمیت اور فضیلت

(24) تعلیم کے لئے حسن افروز وسائل کا انتخاب

(25) الانسان کے تقدّسات اور اس کو تیار کرنے کی اہمیت

(26) جنات اور انسانوں میں انسان کی فوقیت

(27) انسان کو اپنے تفردات کے استعمال میں لانے کی تلقین

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

(28) سورج اور چاند کی اٹکھیلیاں اور ستاروں کا روحانی رقص

(29) زمینی زندگی میں اسبابِ حیات کی موجودگی

(30) صحت کے لئے جڑی بوٹیوں میں دواؤں کی وضع

مزے کی بات یہ کہ خطاب جنوں اور انسانوں دونوں کو ہے لیکن باتیں ابھی تک صرف انسانوں کی ہیں۔شاید جنّ جس طرح پوشیدہ ہوتے ہیں ان کی نعمتیں بھی انسانی نعمتوں میں پوشیدہ ہیں، اس لئے خطاب ثقلین کو ہو رہا ہے۔

''اٰلَآءِ'' کی لغوی تشریح

''اٰلَآءِ'' کا واحد ''الیٰ'' ہے۔''اَلیٰ، الو، الئی اور اِلیٰ'' ان کا معنیٰ نعمتیں ہے۔اسماعیل حقی فرماتے ہیں وہ ظاہری اور باطنی نعمتیں جو ''فریقین'' کو نصیب ہوئیں۔مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ ''اٰلَآءِ'' صرف ظاہری نعمتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور ''النعماء'' باطنی نعمتوں کو کہا جاتا ہے۔ان مفسرین کا قول بھی عبث نہیں جنہوں نے کہا ہے کہ ''اٰلَآءِ'' اور ''النعماء'' مترادفات میں سے ہیں جن کا معنیٰ ایک ہی ہے۔تاویلات نجمیہ کے مؤلف کی رائے اس سے ملتی جلتی ہے کہ اول الذکر ظاہری نعمتوں کے لئے لایا جاتا ہے اور ''النعما'' باطنی نعمتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے(23)۔

بار بار تکرارِ آیت کی حکمتیں

علامہ اسماعیل حقی رقم طراز ہوتے ہیں(24):

> ''حقائق سے نا آشنا ذہن بے توجہ ہونے کی بنا پر حجاب میں ہوتا ہے۔سورۃ نے رحمت و برکت اور نعمت و کرم کے دروازے کھولے اور ایک ہی سوال بار بار قاریٔ سورت کے سامنے رکھے تا کہ اس کے دل اور دماغ کی غفلت چھٹے اور وہ روحانی طور پر بیدار ہو جائے جیسے اذان میں کلمات کے تکرار کے ساتھ ظلمتوں کے پردے چاک کئے جاتے ہیں''۔

علامہ موصوف نے حکمتِ تکرار کا موضوع آگے بڑھاتے ہوئے مزید لکھا:

> ''سورۃ الرحمٰن مکمل دلیل نامہ ہے اور قرآنی حجتیں اتنی اکمل ہیں کہ غبی سے غبی ذہن کو بھی ان کا تام فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے۔ایک ہی طرز کے سوال کا اتنی کثرت کے ساتھ

تکرار تاکید بالائے تاکید کا نفع رکھتا ہے''۔

علامہ اسماعیل حقی اور دیگر مفسرین نے تیسری حکمت تذکیر لکھی ہے۔ کسی بھی فکری دعوت میں تکرار تزکیہ کے نظام کو قوت اس وقت دیتا ہے جب انسان کو یاد ہو کہ میں نے یہ کام کرنا ہے اور یہ کام نہیں کرنا۔

''کسی چیز کی کراہت سے آگاہی عام کرنے کے لئے
تکرارِ اعلان فائدہ دیتا ہے کہ خطرات کا علم بھرپور ہو جاتا
ہے اور انسان بُری چیزوں سے بچ سکتا ہے''۔

برھان القرآن نے خوبصورت نکتہ لکھا (25) کہ سورت میں 9 بار یہ سوال وہاں دہرایا گیا ہے جہاں خلق الٰہی کے عجائبات بیان ہوئے۔ مبدا اور معاد کے غوامض بیان ہوئے۔ باریک اور لطیف نکات کو روح و ذہن میں ڈالنے کے لئے نو بار کہا گیا ''اے جنوں اور انسان کے گروہو! تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت سے ابا اور انکار کرو گے''۔ سات بار وہاں تکرار ہے جہاں دوزخ کے شدائد ہیں۔ دوزخ کے دروازے چونکہ سات ہیں اعلام میں تکرار بھی سات بار ہے۔ سات آیات وہ ہیں جو دشمنانِ دین کے بارے میں تحذیر کا حکم رکھتی ہیں۔ سات پر آیتِ سوال کا تکرار وہاں ہے اور بیان جنت کی آیات کے بعد آٹھ بار تکرار ہے اس لئے کہ جنت کے دروازے بھی آٹھ ہیں، اس طرح کل اکتیس بار تکرار بن جاتا ہے۔

تدبر قرآن کا نقطہ نظر

امین اصلاحی لکھتے ہیں (26):

''یہ سورت مکی دور کی وہ سورت ہے جس کے نزول کے
وقت مکہ کے لوگوں نے تکذیب کا طوفان مچا رکھا تھا۔ اس
دور میں منکرین کو بار بار سمجھانے کی، دعوت دینے کی اور
آمادۂ تسلیم کرنے کی حکمت تکرارِ کلام ہی سے پوری کی جا
سکتی ہے''۔

مولانا اصلاحی کی یہ بات عجیب سے بھی عجیب تر ہے کہ تکرار یا تو ضدی لوگوں کے سامنے کیا جاتا ہے یا پھر غبی لوگ ہوں تو انہیں بار بار کوئی چیز سمجھانی پڑتی ہے۔ حلوہ صرف ضدی لوگ ہی بار بار نہیں کھاتے اور پھول صرف غبی لوگ ہی بار بار نہیں سونگھتے۔ اسی طرح نمازوں کی رکعتوں میں تکرار بھی صرف ضد پوری کرنے کے لئے نہیں ہوتا۔ اصل میں انسان کے اندر مخفی ضمیر کے مختلف سرچشمے ہیں۔ دماغ ہے، محبت کرنے والا دل ہے، دیکھنے والی آنکھ ہے، جہانِ وسعت مآب کی ملوکیت سے واقف

روح ہے، سننے والے کان ہیں، ذائقوں کی دنیا مسخر کرنے والی زبان ہے، خون صاف کرنے والے اعضا ہیں، عشق کی بھٹی گرم رکھنے والا جگر ہے، حافظہ کی کتاب ہے، شعور کی آبشار ہے، لاشعور کی لوح ہے، خفی اخفیٰ کے لطائف ہیں، اسرارِ نہاں کے سمندر ہیں، سوچوں کی تطہیر کا رانجھا ہے، حسن پسندی کی لیلیٰ ہے، تلاشِ رفیق کا جذبہ ہے، حیرتوں کا مجنوں ہے، سب کچھ لٹا دینے والی ارادت ہے، ہواؤں کے جنّات مسخر کرنے والے پھیپھڑے ہیں، قرب کی تڑپ ہے، غصے کا استعمال ہے، ایک بانکا نفس بھی ہے، سلجھی آرزوؤں کی جنت بھی ہے، آوارہ مزاجی کو جلانے والی دوزخ بھی ہے، باطن ہی باطن میں رنگوں کے نخرے بھی ہیں۔ خواہشات کا بے قابو رقص اور بھنگڑا بھی ہے، لفظ بنانے اور توڑنے والے شاعر بھی ہیں، سوہنی من موہنی حوریں بھی ہیں، بخت عظیم رکھنے والے فرشتے بھی ہیں، ہنگامہ خیز موسیقیت کے راگ بھی ہیں، فریب دینے والا شیطان ہے، عداوت کی آتش بھڑکانے والا صیہونی نظام بھی ہے، دوستیوں کے چسکے بھی آتش فشاں بنے ہوئے ہیں، نسیمِ صبح کی دیوانی سانسیں بھی دوڑ رہی ہیں، جراثیموں کا مخفی جہاں کسمسا رہا ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ'' کا طرزِ تکلم صرف غبی اور ضدی لوگوں کی ڈانٹ نہیں یہ کہیں معلّمِ شفیق بنا ہوا ہے اور کہیں مخلص رفیق ہو کر راہ سیدھی کر رہا ہے، کبھی نفس کو دھونے والا محکم ہاتھ بن کر ظاہر ہوتا اور کبھی روح کو آمادۂ پرواز کرنے کا سرمدی سرود بن رہا ہوتا ہے۔ اس کلام کے میزان سے آپ سورج کا وزن کر سکتے ہیں اور سیاروں کا قطر ماپ سکتے ہیں۔ یہ مخفی جنّات کی اداؤں کی تصویر بنانے والا مصوّر بھی ہے اور موضوعات اور عنوانات کی کتاب لپیٹ کر وجہِ حسنِ ازل کا شاہد بنانے والا پیر و مرشد بھی ہے۔ یہ چہار لفظی کلام ہے یا یہ نَے ءِ لاہوت ہے، رازِ باہوت ہے اور بت شکنِ ناسوت ہے۔ یہ صرف جملہ نہیں نظامِ جمالیات ہے جس میں ''ن'' نور کے چشمے ہیں، سمندر ہیں، دریا ہیں۔ زیادہ آیات ''ن'' پر ختم ہوتی ہیں، چند میم پر ختم ہوتی ہیں اور چند ''را'' پر ختم ہوتی ہیں۔ علمِ روحانیت میں راز صرف الف با جیم ہی میں نہیں ہوتے نون، میم، را کے اکتیس دروازے ہیں جہاں سے علوم و معارف کے پردہ در پردہ جہاں ہیں۔ اس سورۃ الرحمٰن کا یہ بار بار دہرایا جانے والا جملہ ابوابِ رحمت کی کنجیاں ہیں۔ سورۃ الرحمٰن ''ن والقلم'' کا راز ہے اور سورۂ نون والقلم سورۃ الرحمٰن کا راز ہے۔ اس سورت میں ''را'' کا قافیہ ''الر'' بن کر سورۂ یوسف کی کہانی سناتا ہے اور یہ سورتیں جمالیاتی جہانوں کی خوشبوؤں میں طالب و سالک کو دولہا بنا دیتی ہیں جس سے دلہے اور بلہے کو بالآخر رحمۃ للعلمینی کا راز مل جاتا ہے۔

❁❁❁❁❁

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَ خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾

''اُس نے انسان کو پیدا کیا ٹھیکری ایسے کھنکتے گارے سے اور اُس نے جنّوں کو پیدا کیا مختلف قسم کے آتشی شعلوں کو ملا کر آگ سے، (اے جنوں اور انسانوں کے گروہ) تم اپنے ربّ کی کون کون سی نعمت جھٹلاؤ گے''۔

سورۃ الرحمٰن میں نعمتوں کی شعاعِ ثانی قاریٔ قرآن کے سامنے لائی جا رہی ہے۔ ''تخلیق انسانیت''، رحمٰن کا خصوصی کرم آشکار ہوا اور الانسان کو بنایا گیا۔ اس کا تفرد بتایا گیا کہ اس کی خصوصی تعلیم اور تربیت میں تعلیم قرآن اور تعلیم بیان شامل ہوئے۔ اس کی زندگی کے اسباب بتائے گئے، اس کی آماجگاہ کا ذکر ہوا، کرۂ خاکی کے خصائص بتائے گئے، آسمانی کرم کی دست گاہ بتائی گئی۔ اب یہاں انسان کو اس کی اصلیت سے آگاہ کیا گیا۔ جو راز تھا اسے کھول دیا گیا۔ ''دروس عبرت'' کے نشانات کو واضح اور روشن کر دیا گیا۔ یہاں انسان کی اصل بتا دی گئی اس کا شجرۂ عجز آشکار کر دیا گیا۔ اس کے اندر بجنے والی موسیقی کی لہریں بتا دی گئیں۔ شاید یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ وہ اپنی اصل سے ربط رکھے اسے فراموش نہ کرے۔ یہ بات مزے کی نہیں کہ انسان بولتا بھی ہے اور انسان ٹھیکری کی طرح بجتا بھی ہے۔ اس کے منہ سے نکلنے والے کلمات اور الفاظ شعر و شعور اور نثر و نثور اور لفظ و لفوظ کی حکمت مآب تاریخ رکھتے ہیں۔ یہاں سے کتابیں، رسالے، صفحات، خطبے، فلسفے اور حکمت کا وسیع جہاں سامنے آتا ہے اور انسان بجتا بھی ہے۔ اس کی موسیقی نخرے، فخر، افتخار، ناز، ترغیب، رہبت اور ملوکیت جنگیں اُگلتی ہے۔ قتل و مقاتلے، حسد، بغض، سبّ و شتم سب کچھ ''كَالْفَخَّارِ'' میں پڑھا جا سکتا ہے۔ شوخ انسانوں کی اپنی تاریخ ہے، سنجیدہ کوہ نظر شخصیات کی اپنی تاریخ ہے، ان کے اپنے اپنے قبائل ہیں، یزید اور ہے اور اس کے قبیلے کی مٹی اور ہے۔ حسین اور ہے اور اس کے قبیلے کی مٹی اور ہے۔ یزید بجتا ہے اور حسین بولتا ہے۔ علی بولتے ہیں، حَسَن بولتے ہیں اور ان کے حریف بجتے ہیں۔ قرآن کے ساتھ رہنے والے انسانوں کی تاریخ ابوتراب کی ہے اور بجنے گرجنے والے انسانوں کی تاریخ اپنی ہے۔ قرآن کی روشنی میں بولنے والے کربلا کی تاریخ کو یادگار بنا دیتے ہیں اور بجنے والوں کے ہر مراسمِ اقتدار شام کی گلیاں سجا دیتے ہیں۔

خَلَقَ: اس نے پیدا کیا
الْاِنْسَانَ: انسان
مِنْ: سے
صَلْصَالٍ: ٹھیکری کی طرح کھنکتے گارے
كَالْفَخَّارِ: کھوکھلے کھنکتے گارے کی طرح
وَخَلَقَ: اور پیدا کئے اس نے
الْجَآنَّ: جنّات کو جو نظر نہیں آتے
مِنْ: سے
مَّارِجٍ: ملا جلا متحرک شعلہ
مِّنْ: سے
نَّارٍ: آتش، آگ
فَبِاَیِّ: تو کس کس
اٰلَآءِ: نعمتوں
رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی
تُكَذِّبٰنِ: تم تکذیب کرو گے

''صَلْصَالٍ'' کا معنیٰ

راغب اصفہانی لکھتے ہیں (27):

''صَلْصَالٍ'' کا معنیٰ مٹی کے خشک ڈھانچے سے آواز کا

آنا جانا ہوتا ہے۔ برتن میں بچا ہوا پانی بھی "صلصلہ" کہلاتا ہے، اس لئے کہ برتن ہلانے سے پانی آوازیں پیدا کرتا ہے۔ ہمارے اکابر ائمہ لغت نے " صَلْصَالٍ " کا معنیٰ بدبودار مٹی کا لیا ہے جو پانی میں گوندھ دی گئی ہو"۔

"فخار" کا مادہ

زبیدی حنفی لکھتے ہیں (28):

"فخار" فخر سے نکلا ہے اس کا معنیٰ وہ شخص ہوتا ہے جو بہت زیادہ فخر کرتا ہو۔ اندر سے کھوکھلا ہونے کا معنیٰ بھی لفظ کے مادہ میں مضمر ہے۔ نخروں ٹخروں والے انسان صرف بجتے ہیں، اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں، باتیں زیادہ بناتے ہیں۔ قرآن کے بنائے ہوئے انسان اور ہوتے ہیں اور کوزے انسان اور ہوتے ہیں۔ مراحل کا سفر دیکھ اور پالینا مفید ہوگا"۔

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

ایک عجیب نکتہ

پہلی تخلیق جو قرآن کی تعلیم سے مربوط ہے اس کی آیت کے بعد نہیں پوچھا گیا کہ تم ربّ کی کس کس نعمت کی تکذیب کروگے؟ سوال وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں ٹھیکری کے کھنکنے اور بجنے کا ذکر ہے اور فخر اور فخور کی بات کی گئی ہے۔

انسان کی ابتدائے آفرینش

مفاہیم مذکورہ صدر کے علاوہ قرآن مجید نے انسانوں کی مٹی سے ولادت اور تخلیق کی بات کھل کر کی ہے:

☆ سورۃ الحج نے کہا کہ انسان شروع میں خاک تھا

☆ سورۃ الانعام نے کہا: مٹی کی آمیزش پانی کے ساتھ ہوئی اور پھر یہ کیچڑ کی شکل اختیار کر گیا۔

☆ سورۂ حجر نے کہا کہ پھر مادۂ تخلیق بدبودار سڑا ہوا کیچڑ ہو گیا۔

☆ سورۃ الصافات کہتی ہے کہ پھر چپک جانے والے مادّہ کی صورت میں آ گیا۔

☆ سورۃ الرحمٰن کی یہ آیت کہتی ہے کہ پھر یہ منجمد شئی بن گیا اور کھنکنے اور بجنے والا کوزہ بن گیا۔

انسانِ اوّل پر پوشیدہ، طویل اور توقّف آمیز مراحل گزرے۔ انسان کامل تک کا سفر کن کن راہوں سے ہوا اللہ جانتا ہے لیکن یہ بات صاف واضح ہے کہ انسان مٹی ہی سے پیدا ہوا، پھر مرحلہ در

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ لا
بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ ج
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾
يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ ج
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾
وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَـَٔاتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ ج
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾

(۱۹) اُس نے دو سمندر بہائے کہ دیکھنے میں ملے ہوئے ہیں
(۲۰) دونوں کے درمیان ایک ایسی رکاوٹ کہ دونوں ایک دوسرے میں خلط ملط نہ ہو سکیں
(۲۱) تو اپنے ربّ کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے
(۲۲) ان میں سے پیدا فرمائے موتی اور مونگے
(۲۳) تو تم دونوں گروہ اپنے ربّ کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے
(۲۴) اور اُسی کے لئے ہیں سمندروں میں پہاڑوں کی طرح ابھرے ہوئے رواں دواں آبی جہاز
(۲۵) (اے جنوں اور انسانوں کے گروہ) تم اپنے ربّ کی کون کون سی نعمت جھٹلاؤ گے

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾

''اُس نے دو سمندر بہائے کہ دیکھنے میں ملے ہوئے ہیں، دونوں کے درمیان ایک ایسی رکاوٹ کہ دونوں ایک دوسرے میں خلط ملط نہ ہو سکیں، تو اپنے ربّ کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

سورت کی شعاع چہارم

یہاں ان آیات میں عمود تفسیر تک ذہنی اور روحی رسائی ہونی چاہئے۔ سورۃ الرحمٰن کی اکثر آیات میں اشیاء کا ظاہری تضاد بیان ہوا اور پھر ان میں توافق کا حسن بیان کیا گیا۔ تضاد کے اندر توافق کی خوبصورت مثالیں طرز تخاطب کے عمق سے ابھرتی ہیں۔ ایک طرف جنّ ہیں جو آگ کی لپٹ سے پیدا ہوئے اور دوسری طرف انسان ہیں جو تراب سے ابھرے، یوں ہی ایک طرف آسمان رکھا اور دوسری طرف زمین کی وضع ہوئی۔ شب و روز اور موسموں کے تضادات اور تخالف میں توافق کا حسن نگاہوں میں حیرت آفرینی کا جھبک بن گیا۔ انسان اگر اس کی تہ میں جھانکے تو تضادات توافقات کے لئے اور موافقات تخالفات کے لئے محوِ حرکت محسوس ہونے لگتے ہیں۔ یہی معاملہ زیر نظر آیت کا ہے۔ پہلے تو سمندروں کی اہمیت بتائی کہ یہ پوری زمین کے تین حصوں پر محیط ہیں: ایک حصہ خشکی ہے۔ انسان خشکی میں زندگی گزارتا ہے لیکن انسانوں کی ''ربوبیت'' میں ان کو تدریجاً کمال تک پہنچانے میں دستِ فطرت کی بڑی عطائیں ہیں۔ جو آیت ہم پڑھ رہے ہیں اس میں دو سمندروں کا حوالہ دیا گیا ہے جو آپس میں خلط ملط ہونے کے لئے بے تابیاں دکھاتے ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے، حجاب ہے اور آڑ، جس کی وجہ سے ایک دوسرے کو پھاند نہیں سکتا اور دوسرا پہلے سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ پانیوں میں بھی پانی اللہ کے حکم کے پابند ہیں۔ سمندر ہیں، ان میں موجیں ہیں، پہاڑوں ایسی لہریں ہیں۔ زمینی فطری قطعات کی وجہ سے یہ بھی تقسیم ہیں، کوئی مغربی ہے، کوئی مشرقی ہے اور کوئی لال ہے اور کوئی پیلا ہے۔ ''نظام ربوبیت'' میں کارکشائی کے لئے یہ اکیلے موج وریاں نہیں کرتے، دو دو مل کر ضرورتوں کی تکمیل کرتے ہیں۔

اصل میں گردشِ سورج کا انہوں نے بھنگڑا دیکھنا ہوتا ہے۔ سورج نے ہر وقت ایک دم سارے سمندروں کا پانی اپنی کرنوں میں ڈال کر تقسیم نہیں کرنا ہوتا ہے۔ گزشتہ آیت یہ معنیٰ بے نقاب کرتی ہے کہ دو مشرق اور دو مغرب ہیں، ان کی اس ترتیب کے مطابق سمندروں کا بھی جوڑا جوڑا ہے۔ سورج

مفردات

مَرَجَ: اس نے چھوڑ دیا، خلط ملط کرنا بھی اس لفظ کا معنیٰ ہوتا ہے

الْبَحْرَيْنِ: دو دریاؤں کو یا دو سمندروں کو

يَلْتَقِيٰنِ: وہ باہم مل جائیں

بَيْنَهُمَا: ان دونوں کے درمیان

بَرْزَخٌ: پردہ، آڑ ہے

لَّا يَبْغِيٰنِ: وہ پھاندتے نہیں، ایک دوسرے کے ساتھ ملتے نہیں، اپنے اپنے مقام سے وہ تجاوز نہیں کرتے

فَبِاَيِّ: سو کون سی

اٰلَآءِ: نعمت ہے نعمتوں

رَبِّكُمَا: تمہاری ربّ کی

تُكَذِّبٰنِ: تم دونوں انکار کرو گے یا تم دونوں جھٹلاؤ گے

کبھی ایک منطقۂ بحر سے اپنی شعاعوں کے ساتھ پانی اٹھا کر فضا میں لے جاتا ہے اور کبھی مغربی سمندر سے اس نے پانی کھینچنا ہوتا ہے۔ جیسے جیسے مشرق گھومتے ہیں اور مغرب رقص کرتے ہیں، سمندر جوڑا جوڑا بن کر پانی آسمانوں کی طرف پھینکتے ہیں۔ وہاں پھر بادل بنتے ہیں، سورج اور سمندر کے توافق سے پانی زمین کے تمام خشک حصوں میں پہنچتا ہے۔ یہ اسی نظام ربوبیت کی کرم گستریاں ہیں کہ کہیں پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف جمتی ہے، کہیں یخ بستہ ہوائیں موسموں کو متناسب بناتی ہیں۔ برف پگھلنے سے کہیں چشمے فیض بار ہوتے ہیں اور کہیں ندیاں رواں ہوتیں ہیں۔ یوں سمندروں کا پانی ہر جگہ اپنے فیض کی چادر بچھا دیتا ہے۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ دو سمندر نظامِ کُن کے حکم پر سورج اور زمین کی گردش کے مطابق زمین کے گوشہ گوشہ کو سیراب کرتے ہیں۔ کہیں چشمہ بن کر، کہیں دریا ہو کر، کہیں ابر کرم کی صورت اختیار کر کے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ سمندر کے پانی کھاری اور تلخ ہوتے ہیں۔ سورج اس پانی کو بخارات بنا کر اپنے گردشی کندھوں پر بٹھا کر ہواؤں کی مدد سے اور تابکاری لہروں کی ہلکی آمیزش کے ساتھ پکا کر میٹھا پانی بنا دیتا ہے۔ وہ پانی جہاں برستا ہے وہاں زندگی نمودار ہوتی ہے اور اسی عمل سے زندگی کی ہر استعداد جنم لیتی ہے۔ سمندروں کے اندرونی خزانوں سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن اصل میں نظام ربوبیت کی وہ برزخ ہے، آڑ ہے جو سمندری نظام میں بغاوت، تجاوز اور سرکشی نہیں ہونے دیتی۔ قرآن مجید نے پانیوں کے اس فطری نظام کی بات کر کے جنّوں اور انسانوں سے پوچھا تم اپنی استعداد میں غور کرو اس عظیم فیض کے سرکل کی تم تکذیب کر سکتے ہو، نہیں کر سکتے، اگر نہیں کر سکتے تو صدق دل سے انسان بن جاؤ۔ جنّات کے گروہ تم بھی انسان بن جاؤ اس لئے کہ قابل فخر مخلوق قرآن کا بنایا ہوا انسان ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

ابن کثیر اور سید امیر نے ابن جریر کے اس قول پر حیرت کا اظہار کیا ہے جس کے مطابق یہ کہا گیا ہے کہ ایک سمندر آسمان پر ہے اور ایک سمندر زمین پر ہے۔ لٹھ لے کر پیچھے پڑنے سے قرآن فہمی کا خلوص عنبر نہیں بنایا جا سکتا۔ اس قول کے تسلیم کرنے میں مجھے سائنس مسلمان ہوتی محسوس ہو رہی ہے۔ جتنا پانی سمندروں سے اٹھا کر سورج فضاؤں میں لے جا کر زمینی ضرورتوں کے مطابق تقسیم کرنے کے لئے اپنی شعاعوں میں چھپا کر رکھتا ہے، سارا پانی جمع کیا جائے تو وہ بھی ایک سمندر ہی بنتا ہے۔ مَشک کا پانی اور سمندر کا پانی ایک ہی ہوتے ہیں ان کا ظہور دو مقامات پر نظر آتا ہے۔

مجھے جلال الدین سیوطی کے اس قول پر بھی حیرانگی نہیں ہوئی کہ ان دو سمندروں سے مراد حسن اور

حسین ہیں یا علی اور بتول ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ رحمت کے جوڑے اور ان کی اولادیں ''دو سمندر ہی تو ہیں'' جو سراج منیر کی روشنی سے فیض نکھار کر امت کے گھڑے بھر رہے ہیں (33)۔

''مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ'' کی ایک مثال سورۂ فرقان نے بھی دی ہے۔

بلاشبہ اس میں قطعیت ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾

''اور وہی ہے جس نے دو رواں سمندروں کو ملا دیا یہ میٹھا ہے لذت بخش اور یہ کھاری ہے انتہائی تلخ اور رکھا ان دونوں کے درمیان ایک پردہ اور مضبوط آڑ''۔

سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الفرقان دونوں مل کر مفہوم کلام انتہائی خوبصورتی کے ساتھ کھول رہی ہیں۔

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

سمندری دریاؤں کی ایک خوبصورت مثال

اللہ تعالیٰ کا نظام ربوبیت کتنا فعال، حیران کن، مؤثر اور نفع بخش ہے کہ سمندروں کے اندر بھی بڑے بڑے دریا جاری ہیں جو سمندروں کے اندر ہی سے شروع ہوتے ہیں اور سمندروں کے اندر ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ ایک بڑا سمندری دریا ''گلف سٹریم'' ہے۔ یہ امریکہ کے ساحلوں سے شروع ہوتا ہے سارے بحرِ اطلس کو عبور کر کے یورپ کے ساحل تک جا پہنچتا ہے۔ اس سمندری دریا کی چوڑائی ایک سو پچاس کلومیٹر ہے اور گہرائی سو میٹر سے بھی زیادہ ہے۔ اس کی رفتار کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ایک دن میں یہ ایک سو ساٹھ کلومیٹر سفر کر لیتا ہے۔ اس دریا کے مغربی کنارے کو ٹھنڈی دیوار کہتے ہیں۔ اس کا رنگ سمندر کے رنگ سے مختلف ہے۔ اس نوعیت کے دریا اگر گرم ہوا پیدا نہ کرتے تو یورپ میں زندگی مشکل ہو جاتی۔ یہ پانی کی حرکت اور رفتار منطقہ استوائی اور منطقہ قطبی کی حرارت کا فرق ہے۔ سمندری پانیوں میں تیز یا کم حرکت اسی فرق کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ جہاں یہ گرم اور ٹھنڈے پانی ساتھ ساتھ چلتے ہیں، جہاں پر یہ بالمقابل ہو جاتے ہیں وہاں یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ سمندری مچھلیاں بے حس ہو کر سطحِ سمندر پر آ جاتی ہیں۔ یہ غذائی مواد نفع بخشی کا سبب بن کر ''ربوبیت'' کا مظہر بن جاتا ہے۔ بڑی مچھلیاں ان چھوٹی حیوانی چیزوں اور مچھلیوں کو شوق سے کھانے کے لئے یہاں پہنچتی ہیں جہاں بڑے شکاری بھی شوق سے شوقِ شکار پورا کرتے ہیں۔ سمندر کا باطنی نظام اس قسم کے کئی مظاہر لئے ہوئے ہے۔ کہیں گرم اور ٹھنڈے سمندر درمیان میں ایک آڑ اور کہیں میٹھے اور تلخ پانی کی

سمندری موجیں ساتھ ساتھ اور ان کے درمیان ایک برزخ اور ایسے ہی کہیں ساکت اور جامد سمندروں میں رواں دواں سمندر، دونوں کے درمیان ایک حجابِ امر جو دونوں کو آپس میں خلط ملط نہیں ہونے دیتا۔ فطرت کا سوال کتنا حکمت آموز ہے کہ اے جنّوں اور انسانوں کے گروہو! بتلاؤ تو سہی تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٣﴾

''ان میں سے پیدا فرمائے موتی اور مونگے، تو تم دونوں گروہ اپنے ربّ کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے''۔

سورت کی شعاع خامس

آیت میں مطالعۂ کرم کے لئے ''مِنْهُمَا'' کو سمجھنے پر توجہ دی جائے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ سمندروں کا وجود صرف پانیوں کے خزانے نہیں رکھتا ان میں زندگی کی اور منفعتیں بھی ہیں۔ خزانوں کی دیگر اقسام بھی ہیں جو معیشت اور معاش میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ آیت گوھر تابدار کی بات کرتی ہے۔ دُرہائے شہوار کی بات کرتی ہے اور قیمتی خزائن کے وسیع تر نظام کی بات کرتی ہے کہ وہ سمندر جن کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ آیت میں غور وفکر کے پانچ پہلو ہیں:

(1) سمندروں کے دو دو ہونے کا تکوینی نظام، گرم اور ٹھنڈے سمندر، نظام کائنات میں ان دونوں کی اہمیت۔

(2) دونوں میں سے موتیوں اور مرجان کا نکلنا، یہ جو کہا جاتا ہے کہ موتی صرف شور پانی سے نکلتے ہیں یہ غلط ہے میٹھے پانی سے بھی موتیوں کا قیمتی خزانہ برآمد ہونا۔

(3) آسمانی پانی کا ھبوط، صعود، ارسال اور تقاطر جس میں صدف کے منہ میں پانی کے قطرے کا گوہر ہو جانا محیّر العقول نظام ہے۔ دنیا میں کھربوں سیپیاں اس تعامل سے فیض یاب ہوتی ہیں۔ ابن جریر کا قول اس سلسلہ میں مجھے اچھا لگا جسے مفسرین نے خواہ مخواہ ردّ کر دیا ہے۔

(4) زمینی منطقوں کی استوائی حرکات سے سمندروں میں دریا جاری ہونا اور اس میں قطبین پر زمین کی مدوراتی حرکت کا ہواؤں کے سمندر میں مدوجزر پیدا کرنا۔

(5) سمندروں میں موتیوں کا پیدا ہونا، ایک عجیب تر تعامل جو انسانوں اور جنّوں کی آنکھیں کھول دینے والا ہے۔

مفردات

يَخْرُجُ: نکلتے ہیں
مِنْهُمَا: ان دونوں سے
اللُّؤْلُؤُ: موتی
وَالْمَرْجَانُ: اور مرجان، گوہرِ شہوار
فَبِاَيِّ: پس کون کون سی
اٰلَآءِ: نعمتوں میں نعمت ہے
رَبِّكُمَا: تمہارے پروردگار کی
تُكَذِّبٰنِ: تم جھٹلاؤ گے

''لُّؤْلُؤُ'' اصل میں ایک حیوان ہے اور سمندر کی حیران کن مخلوق ہے۔ یہ ایک سیپی کے اندر ہوتا ہے اس کی پرورش چونے کے مواد میں ہوتی ہے اور یہی دشمن کے مقابلے میں اس کا ہتھیار ہوتا ہے۔ جال کی طرح اس کا ایک پتلا جال ہوتا ہے جس کا تانا بانا عام جالوں سے قدرے مختلف اور حیرت ناک ہوتا ہے۔ ایسے جیسے ایک برش ہوتا ہے جو پانی غذا اور ہوا کو اس کیڑے کے پیٹ میں پہنچاتا ہے اور ریت وغیرہ کو باہر ہی روک دیتا ہے۔ جال کے نیچے کیڑے کے منہ ہوتے ہیں۔ عجیب تر یہ ہے کہ ہر منہ کے چار ہونٹ ہوتے ہیں اگر کوئی زبردستی منہ میں آئے تو ''لُّؤْلُؤُ'' اپنے منہ سے لیس دار مادہ نکالتا ہے جو اس کو پانی سے ڈھانپ دیتا ہے اس طرح وہ جم کر موتی بن جاتا ہے یوں موتی کا حجم داخل ہونے والی شئی کے حجم کے برابر ہوتا ہے (34)۔

''مرجان'' بھی ''لُّؤْلُؤُ'' کی طرح سمندری مخلوقات میں سے ہے۔ یہ پانچ میٹر سے لے کر تین سو میٹر کی گہرائی میں زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ کسی سمندری چٹان یا آبی گھاس کے نیچے اپنے آپ کو اٹکا لیتا ہے۔ اس کا منہ اس کے جسم کے اوپر ہوتا ہے۔ اس کے اردگرد کچھ زوائد ہوتے ہیں اور ان ہی کو وہ اپنی خوراک بنا لیتا ہے۔ اصل میں سمندر کے چھوٹے کیڑے جو پسّوؤں کی طرح ہوتے ہیں تو وہ مرجان کو مس کرتے ہی شل ہو جاتے ہیں۔ اس کا پیٹ ایک تنگ نالی کی طرح ہوتا ہے۔ اس حیوان سے تناسلی خلیے نکلتے ہیں جو تعداد میں بے شمار ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی نسلی بویضون کی زرخیزی مکمل ہو جاتی ہے اور جنین پیدا ہوتے ہیں جو کسی پتھر وغیرہ سے چمٹ جاتے ہیں۔ یہ پرورش ایک درخت کی مانند پاتا ہے۔ اس کے اوپر گھنڈیاں بنتی جاتی ہیں۔ یہ بڑھ کر عمل پرورش مکمل کرتی ہیں لیکن ان کا تعلق وہاں مربوط ہوتا ہے جہاں سے وہ نکلتی ہیں اس طرح یہ ایک مرجان کا درخت بن جاتا ہے۔ اس کی شاخیں جتنی ابھرتی جاتی ہیں اتنی ہی پتلی ہوتی جاتی ہیں۔ اس کے اوپر لگنے والے مرجان ناشپاتی کی طرح زرد ہوتے ہیں، ان کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ سرخ لونگ کی طرح اور نیلے زمرد کی مانند بھی ہوتے ہیں۔ یہ حیوان جب مرجاتا ہے تو اس پر لگنے والے اجزا سخت ہو جاتے ہیں اور وہ سرخ ہوتے ہیں یہی مرجان کہلاتا ہے۔ سمندروں میں مرجان کے پہاڑیوں کی طرح سلسلے ہیں۔ سمندروں میں مرجان کی ایک پہاڑی ہے جو مرجان کی دیوار کہلاتی ہے۔ یہ آسٹریلیا کے شمال مشرق میں موجود ہے۔ اس مرجانی سلسلہ کی لمبائی تیرہ سو پچاس میل ہے اور چوڑائی پچاس میل ہے۔

''لُّؤْلُؤُء'' اور ''مرجان'' کے موتیوں سے قیمتی زیور بنائے جاتے ہیں اور یہ ادویات بنانے کے بھی کام آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کیسے کیسے احسانات فرمائے ہیں، بندہ اس کے کرم کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہے (35)۔ واللہ اعلم

ابن کثیر کہتے تھے کہ چھوٹے سمندری موتی ''لُّؤْلُؤُ'' ہوتے ہیں اور بڑے موتی ''مرجان''

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

ہوتے ہیں(36)۔

ابن جریر طبری نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا کہ مرجان بڑے اور نایاب موتی ہوتے ہیں(37)۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سرخ جواہر مرجان ہوتے ہیں اسی کو مونگا کہتے ہیں(38)۔

سدی کہتے تھے کہ فارسی میں مونگے کو بسد احمر کہتے ہیں(39)۔

عکرمہ کہتے تھے جو بارش کا قطرہ سیپی کے منہ میں چلا جائے وہ موتی بن جاتا ہے اور وہ قطرہ جو موتی نہ بنائے اس سے عنبر پیدا ہوتا ہے(40)۔

سید امیر نے لکھا کہ موسم بہار میں بارش کا قطرہ سیپی کے منہ میں جا کر موتی بن جاتا ہے۔ اصل میں گرنے کے ساتھ اگر قطرۂ آب ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے تو موتی چھوٹے بنتے ہیں وگرنہ ایک ہی بڑا موتی بنتا ہے۔ موتی چھوٹا ہو تو ''لُؤْلُؤٌ'' ہوتا ہے اور بڑا ہو تو وہ ''مرجان'' کہلاتا ہے(41)۔

❁❁❁❁❁

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَـَٔاتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٢٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٥﴾

''اور اُسی کے لئے ہیں سمندروں میں پہاڑوں کی طرح ابھرے ہوئے رواں دواں آبی جہاز، (اے جنوں اور انسانوں کے گروہ) تم اپنے ربّ کی کون کون سی نعمت جھٹلاؤ گے''۔

سورت کی چھٹی روشن شعاع

قرآن مجید سمندری خزانوں، رحمتوں، منفعتوں اور برکات کی تصویر کشی کرتا ہے اور وہ بڑے آبی جہاز جو حمل و نقل کے ذرائع ہیں اور سمندروں کی تسخیر کے وسائل ہیں، ان کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ جہاز، سفینے اور کشتیاں پانی کے پیٹ پر اللہ کے حکم ہی سے رواں دواں ہوتی ہیں۔ ''**الْجَوَارِ، الجارية**'' کی جمع ہے۔ قرآن مجید کی یہ بلاغت ہے کہ اس نے کشتی پر بیٹھے ہوئے انسان کی تسخیر یا لدے ہوئے سامان کا حوالہ نہ دیا بلکہ کشتی کا دوڑنا، رواں ہونا اور جاری ہونا بیان کیا۔ یہ اصل میں پانی، سمندر اور آبی موجوں کی تسخیر کا حوالہ ہے کہ یہ سب کچھ کرنے والا کون ہے جواب یہ ہے اللہ!!!

عربی زبان میں کنیز کو بھی ''جاریہ'' کہہ دیتے ہیں شاید یہ وجہِ مناسبت خدمت کے لئے مستعدی کا معنیٰ لئے ہوئے ہے۔ ''**منشات، منشا**'' کی جمع ہے اس کا معنیٰ انشا اور ایجاد بھی ہے اور اس کا معنیٰ اونچا اور بلند ہونا بھی ہے۔ کھلے سمندر میں اگر آپ آبی جہازوں کا دور سے نظارہ کریں تو پہاڑوں ایسی موجوں پر آبی جہاز جب موج کے ساتھ نیچے ہوتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے جہاز سمندر میں غائب ہو کر

مفردات

وَلَهُ: اور اسی کے لئے ہیں
الْجَوَارِ: کشتیاں، آبی سفینے یا آبی جہاز
الْمُنْشَـَٔاتُ: تیار شدہ، اونچے اونچے پہاڑوں کی طرح آبی جہاز
فِي: میں
الْبَحْرِ: سمندر یا دریا
كَالْاَعْلَامِ: پہاڑوں کی طرح، وہ آبی سفینے جن پر بادبان لگے ہوں
فَبِاَيِّ: پس کون کون سی یا کس کس
اٰلَآءِ: نعمت
رَبِّكُمَا: تمہارے ربّ کی
تُكَذِّبٰنِ: تم دونوں گروہ جھٹلاؤ گے

غرق ہو گیا ہے، اگلے ہی لمحے جہاز اگلی موج کے کندھوں پر سواری کر رہا ہوتا ہے۔ آیت اسی منظر کو قاریٔ قرآن کے سامنے لاتی ہے اور اس نعمت کو ''منشات'' سے تعبیر کرتی ہے۔ '' کَالْاَعْلَامِ ''علم سے ہے۔ یہ بادبان جہاز کے لئے رہنما کا کام کرتے ہیں اور ہوا کا رخ متعین کر کے سفر کی راہوں کا تعین کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی یہ نعمت یاد کرواتا ہے۔ انسانوں کے لئے سفینوں اور کشتیوں کا نعمت ہونا سمجھ آتا ہے۔ جنات کے لئے بھی ان کی بیشتر غذا سمندر ہی سے انسان نکال لاتے ہیں۔ کوئلہ اور دیگر اجناس ان کے لئے جہازوں پر ہی آتا ہے۔ ممکن ہے جنّات آگ کی لپٹ سے بننے کی وجہ سے سمندر میں غوطہ نہ لگا سکتے ہوں اور وہ اپنی خوراک کے لئے انسانی ذرائع ہی استعمال کرتے ہوں۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ ج
وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ ج
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾
يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ ج
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾
سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾ ج
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾

(۲۶) اس پر جتنے ہیں ہر ایک کو فنا ہے
(۲۷) اور تیرے پروردگار کی ذات باقی ہے جو عظمت والا اور اکرام والا ہے
(۲۸) تو اپنے ربّ کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے
(۲۹) آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے اُسی سے مانگتا ہے اور ہر روز اس کی ایک نئی شان ظاہر ہوتی ہے
(۳۰) اے جن وانس تم اپنے ربّ کی کن کن نعمتوں کی تکذیب کرو گے
(۳۱) زمین آسمان والو! ہماری توجہ تمہاری ہی طرف ہے
(۳۲) تو تمہارے ربّ کی نعمتوں میں وہ کون سی ہے جس کو جھٹلا سکتے ہو

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾

''اس پر جتنے ہیں ہر ایک کو فنا ہے، اور تیرے پروردگار کی ذات باقی ہے جو عظمت والا اور اکرام والا ہے، تو اپنے ربّ کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

معانی ومطالب کی ساتویں شعاع

خطیب شربینی لکھتے ہیں (42):

''زمین کے پیٹ میں قیمتی خزانے مخفی ہیں لیکن اس کا اعزاز یہ ہے کہ انسان اس پر زندگی گزارتے ہیں۔ یہاں آیت میں فنا کو محلِ مدح میں بیان کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ نعمت قرار دی گئی ہے اور جنّوں اور انسانوں سے پوچھا گیا ہے کہ تم اللہ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اس اعتبار سے فنا اور بقا کا معنیٰ روحانی ہوگا کہ زمین پر جو ہے اسے فنا ہے سوائے وجہ الربّ کے کہ بقا اسی کے لئے ہے وہی جلال اور اکرام والا ہے۔ کلمہ ''مَنْ'' بھی اہلِ عقل کے لئے ہے اس لئے کہ عقل والے ہی وہ ہیں جو آخرت کو اپنا وطن گردانتے ہیں۔ یہاں فنا کے پانے کا مطلب وہاں ربّ العٰلمین کے ہاں محبت کی منزل پانے کی عزت پانا ہے۔ اگر فنا کا مطلب موت لیا جائے تو ایسی منزل ہر شئی کے لئے ہے۔ رَبّ نے فرمایا: ''کل شئی ھالک'' ہلاک ہونا اور معنیٰ رکھتا ہے اور فنا ہونا اور مفہوم رکھتا ہے''۔

فنا اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت اس طرح بھی بنتی ہے کہ یہ عالمِ بقا کے لئے ایک دریچے کا کام دیتی ہے۔ ایک حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے کہ موت ایک پُل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملا دیتا ہے۔

سوچتا ہوں کہ آیت میں زور مفسرین نے فنا پر دیا ہے حالانکہ عمودِ تفسیر ربّ تعالیٰ کے ساتھ باقی ہونے کی نعمت کا عرفان ہے۔ اسی میں جنات اور انسانوں کے لئے درس بھی ہے۔ سورۃ الرحمٰن نے جو تمہارے لئے نعمتیں بیان کی ہیں اکل وشرب کے انعامات ہیں، ارض وسما کی چرخیوں کا انسان کے لئے

مفردات

كُلُّ: ہر ایک
مَنْ: جو، اسم موصول، حیات اور عقل رکھتا ہے
عَلَيْهَا: اس پر
فَانٍ: فنا ہے
وَّيَبْقٰى: اور باقی رہے گا
وَجْهُ: چہرہ
رَبِّكَ: تیرے ربّ
ذُوالْجَلٰلِ: جلال والا
وَالْاِكْرَامِ: اور اکرام والا
فَبِاَيِّ: تو کس کس
اٰلَآءِ: نعمتوں میں سے نعمت
رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی
تُكَذِّبٰنِ: تم جھٹلاؤ گے

خدمت میں مستعد رہنا ہے۔ سواریوں کی شان وشوکت ہے، سمندروں کا جوش وخروش، موتیوں اور مراجین کی برکتیں ہیں، فصلوں کا پکنا ہے، خوشبوؤں کی مہک ہے، پھولوں کی لطافت ہے، روشنیوں کے جلوے ہیں، نظام عدل کی فطرت ہے۔ آبی جہازوں کے ہنگامے اور مشغولات ہیں، حمل ونقل کی مصروفیتیں ہیں۔ آیت سمجھاتی ہے کہ یہ سب فانی چیزیں ہیں کہیں تم ان ہی سے دل نہ لگا بیٹھو، تمہیں ''وجہ اللہ'' کی طلب، اس کی یاد، اس کی عبادت اور اسے چاہنے کا عشق بھی نبھانا ہے۔ اللہ کی محبت ہی اصل میں روح اور دل کو تکذیب سے بچانے والا وظیفہ ہے۔

آیت میں یہ احتمال بھی ہے کہ بقا سے اشارہ ان اعمال کی طرف ہے جو خلوص نیت سے اللہ کی رضا کی خاطر سرانجام دیے جاتے ہیں۔ باقی رہنے والی یہ صالحات ہیں۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾

''آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے اُسی سے مانگتا ہے اور ہر روز اس کی ایک نئی شان ظاہر ہوتی ہے، اے جن وانس تم اپنے ربّ کی کن کن نعمتوں کی تکذیب کرو گے''۔

معانی اور مفہومات کی آٹھویں شعاع

کائنات ارضی اور کائنات سماوی کی کوئی شئ ایسی نہیں جو کشکول طلب اور دامن سوال اللہ تعالیٰ کے سامنے نہ پھیلاتی ہو۔ ہر شئ ''نیاز مندی'' اور احتیاج کا اظہار کر رہی ہے۔ ہاں یہ بات دلچسپ ہے، اس بات کی وضاحت نہیں کہ کس چیز کا سوال لئے لب موجودات کھلے پڑے ہیں۔ جملے میں عمومیت اس حقیقت کا بھی مظہر ہے کہ ممکنات اپنے اپنے وجود وبقا کے بارے میں اللہ ہی سے سوال کر رہی ہیں اور ہر شئ اپنی ہر ضرورت کی تکمیل کے لئے اللہ ہی کی طرف مراجعت کئے ہوئے ہے۔

''كُلَّ يَوْمٍ'' میں عرصہ زمانی مراد نہیں بلکہ تسلسل فیضانی کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ اس کے عطیات، انعامات اور جلوے ہر روز بغیر انقطاع کے جاری ساری ہیں۔ ''هُوَ'' سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی ذات، صفات اور افعال میں ظہور ہے۔ اس کی پہچان عوالم کے شئون میں ہے وہ احوال کا تجدد اپنی ذات میں نہیں رکھتا بلکہ اس کی شان انبیاء کی جلوہ گر ہوتی ہے۔ قرآن مجید اس کی وضاحت یوں کرتا ہے:

يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ

''وہ جیسے چاہتا ہے خلق میں اضافہ فرماتا ہے'' (الفاطر:1)۔

مفردات

يَسْـَٔلُهٗ: اسی سے مانگتے ہیں، اسی سے سوال کرتے ہیں
مَنْ: جو بھی ہے
فِي: میں
السَّمٰوٰتِ: آسمانوں
وَالْاَرْضِ: اور زمین
كُلَّ يَوْمٍ: ہر روز
هُوَ: وہ
فِيْ: میں
شَاْنٍ: شان
فَبِاَيِّ: پس کس کس، کون کون سی
اٰلَآءِ: نعمتوں
رَبِّكُمَا: اپنے ربّ
تُكَذِّبٰنِ: تم انکار کرو گے، تم دونوں گروہ جھٹلاؤ گے

شانِ ربّ اس کی ربوبیت سے ظاہر ہے اور آیت اسی شان کی تسلیم کی طرف مفوِّض ہے۔

پیر کرم شاہ الازہری رقمطراز ہیں (43):

> ''مخلوقات سوال کر رہی ہیں اور خالق اپنی مخلوق کی التجاؤں کو سن رہا ہے اور ان کی دعاؤں کو قبول فرما رہا ہے۔ کسی کو تاج سلطانی بخشا جا رہا ہے، کسی کو نعمت علم عطا ہو رہی ہے، کسی کے سینہ میں چراغ معرفت فروزاں کیا جا رہا ہے اور کسی کو اپنے درد کی نعمت بخشی جا رہی ہے۔ کوئی پیدا ہو رہا ہے اور کوئی مر رہا ہے، کوئی بن رہا ہے اور کوئی بگڑ رہا ہے۔ کہیں قحط کی چیرہ دستیاں ہیں اور کہیں ابرِ رحمت برس رہا ہے۔ کسی کو نوازا جا رہا ہے اور کوئی اس کی نعمتوں سے محروم ہو رہا ہے''۔

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں اور آلوسی نے بھی انہی افکار کا اظہار کیا ہے (44):

> سوال یہ ہے کہ قلم جب خشک ہو گیا۔ قیامت تک جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا اور لکھا جا چکا ہے تو پھر ''هُوَ فِيْ شَاْنٍ'' کا مطلب کیا ہو گا؟

حسین ابن افضل نے جواب دیا:

> ''شَاْنٍ'' سے مراد ازل میں طے شدہ فیصلوں کا اظہار اور نفاذ ہے نہ کہ نئے فیصلوں کا آغاز''۔

وہ علماء جنہوں نے معنیٰ ابداع اور ایجاد لکھا ہے اس کا معنیٰ بھی یہی ہے۔ لوحِ محفوظ طے شدہ نقشہ کا نام ہے اس کے مطابق ہی ابداع اور ایجاد کی شانیں جلوہ گر ہو رہی ہیں۔

''هُوَ فِيْ شَاْنٍ'' میں تردیدِ شرک ہے، اثباتِ توحید اور صفاتِ باری کا نوری جلوہ ظہور کر رہا ہے۔ وہ کائنات کے انتظام و انصرام کی خود نگرانی کر رہا ہے۔ اس نے کوئی چیز دیوتاؤں یا دیویوں کے سپرد نہیں کی۔ اس کی تدبیر کائنات کی رگ رگ میں جاری ہے۔ افراد کے خلئے اعضا اور ان کی حرکات اسی کے دستِ قدرت میں ہیں۔ مچھلیوں کے انڈے، پرندوں کا جسم، حشرات الارض کا تحرک، لحظات کی حالت، سیاروں کا رقصِ نظم، ستاروں کی جھلملاہٹ، سمندروں کی موجیں سب کچھ اسی تدبیر والے کی نگرانی میں ہے۔ شئو ون ان تخلیقات کے ہیں اور شانِ تدبیر اور شانِ تقدیر اس اللہ کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح پیدا فرمائی جو سفید خالص موتیوں کی ہے، اس میں سرخ یاقوت بھی ہے، اس میں نور کے قلم سے لکھت ہوئی، اس میں نور ہی کے صفحات ہیں، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر روز تین سو ساٹھ بار نظر عنایت سے نوازا جاتا ہے (45)۔

آیت کا عنوان اللہ کے نور اور محبت کے جلوے ہیں۔ وہ لاکھوں کو ہر روز حیات سے نوازتا ہے اور ہزاروں کو فنا کا امر کرتا ہے بلکہ یہ بھی پڑھا کہ وہ ہر روز ایک ہزار پیدا کرتا ہے اور ایک ہزار کو موت دیتا ہے۔

سفیان بن عینیہ کہا کرتے تھے (46):

> ''دن صرف دو ہیں ایک دنیا کی مدت برابر ہے اس میں شان الٰہیہ کا ظہور امانت، احیاء، اعطا، منع کی صورت میں ہوتا ہے اور دوسرا یومِ آخرت ہے اس میں اس کی شان کی جلوہ گری جزا حساب، ثواب اور عِقاب کی صورت میں ہوگی''۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾

''زمین آسمان والو! ہماری توجہ تمہاری ہی طرف ہے، تو تمہارے ربّ کی نعمتوں میں وہ کون سی ہے جس کو جھٹلا سکتے ہو''۔

سراج سورت کی نویں شعاع

سورۃ الرحمٰن کی یہ آیت مفہوم فہمی کے لحاظ سے قدرے مشکل ہے، اس لئے ہم پہلے لغت کی کتابوں کی مدد سے لفظ ''فارغ'' اور ''ثقلین'' کی تشریح کریں گے، بعد میں دیکھیں گے اس آیت کا مفہوم محل دعوت، محل تبلیغ، محل مدح اور محل فہمائش میں کیا ہو سکتا ہے۔

علامہ ابن منظور لسان العرب میں رقم طراز ہوتے ہیں:

> ''فرغ، یفرغ'' کا معنیٰ توجہ کرنا اور قصد کرنا ہوتا ہے۔ عرب شعراء اکثر جب ''قصدتُ'' کہیں تو وہ ''فرغت'' اور ''فرغتُ' قصدتُ'' کے معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں''۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ قول معروف ہے:

> افرغ الی اضیافک
>
> ''تم اپنے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو یعنی ان کی دیکھ

مفردات

سَنَفْرُغُ: ہم عنقریب توجہ فرمائیں گے
لَكُمْ: تمہاری طرف
اَيُّهَ: اے
الثَّقَلٰنِ: اے انسانوں اور جنّوں کے گروہ، بھاری مخلوقات
فَبِاَيِّ: تو کس کس
اٰلَآءِ: نعمت کو
رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی
تُكَذِّبٰنِ: تم جھٹلاؤ گے

بھال کرو''۔

عرب کسی کو دھمکی دیں تو پھر بھی یہ لفظ استعمال کرتے ہیں:

اذا اتفرغ الیک

ای اقصدلک

''میں بھی تمہاری طرف متوجہ ہونے لگا ہوں تمہاری میں خبر لوں گا''(47)۔

''ثقلین'' کا معنیٰ

راغب اصفہانی المفردات میں لکھتے ہیں(48):

''ثقیل اور خفیف ایک دوسرے کی نقیض ہیں، جو مقدار اور وزن میں ترجیح پا جائے اسے ثقیل کہا جاتا ہے۔اس کا عمومی استعمال اجساد میں ہوتا ہے۔عرب اسے معنوی وزن کے معنوں میں بھی استعمال کرتے ہیں ۔آیت میں ''ثقلین ''انس وجنّ کے لئے لایا گیا ہے۔انہیں ''ثقل ''اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ زمین پر سواری کی طرح چلتے ہیں، گویا زمین ان دونوں مخلوقات کی سواری ہے اور انس اور جنّ زمین کے بوجھ ہیں''۔

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں(49) کہ زمینی مخلوق میں مکلّف مخلوق یہی دونوں گروہ ہیں۔ذمہ کے اعتبار سے ''ثقلین'' یہی دونوں قرار پائے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمین پر ان کی عظمت شان کی وجہ سے انہیں ''ثقلین '' کہا گیا ہے، جیسے کہ یہ معنیٰ حدیث میں بیان ہوا ہے کہ میں تم میں ''ثقلین ''چھوڑ کر جا رہا ہوں ''کتاب اللہ اور میری عترت یعنی اولاد'' علامہ موصوف کا یہ معنیٰ قرین تسلیم ہے اس لئے کہ زمین پر بسنے والے سارے کے سارے گناہوں کے تلے تھوڑا ہی دبے ہوئے ہیں، بڑی بڑی نیک ہستیاں ہیں جن سے سوال ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ'' ان کا احساس شکر تیز کرنے کے لئے ہے۔

فارغ ہونے کی دیگر تاویلات

مفسرین لکھتے ہیں(50):

''جنوں اور انسانوں کی آبادیاں من حیث الجماعت بھاری اور کثیر ہیں گویا ان سے ربّ تعالیٰ فرما رہا ہے تم

کتنے ہی بھاری لشکر ہو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک مدت تک
مہلت دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ
یہ مہلت کا وقت گزر جائے پھر اللہ تم سے نمٹ لے گا۔
یہاں ''فارغ'' کا لفظ پوری یکسوئی توجہ اور کامل احتساب
کا معنیٰ رکھتا ہے''۔

سید قطب لکھتے ہیں (51) کہ یہاں ''فارغ'' ہونے کا لفظ تہدید کے لئے ہے۔ اللہ کے لئے فراغت اور عدم فراغت کا کوئی تصور نہیں۔ یہ لفظ زجر و توبیخ کا ایک اسلوب ہے۔ مفہوم کلام یہی ہے۔ میں عنقریب تمہارا محاسبہ کروں گا اور جزا و سزا دوں گا۔ اصل میں اللہ کی صفات کو بندوں کی صفات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اہم نکتہ

یہاں مہلت دینا نعمت ہے گویا جنوں اور انسانوں کو تہدید اور عطا دونوں طریقے سے سمجھایا جا رہا ہے، تم اپنے ربّ کی ان نعمتوں کا انکار کیسے کر سکتے ہو اور تم کو آج ہی تکذیب سے بچنا چاہئے اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہئے اور دنیا میں جو ڈھیل کی اس نے رحمت دے رکھی ہے اس سے استفادہ کرنا چاہئے۔ **واللہ اعلم**

❁❁❁❁❁

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ ج
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾
يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ ج
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾
فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ ج
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾

(۳۳) اے جنوں اور انسانوں کے گروہ اگر تمہاری طاقت میں ہے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ، تو نکلو تو سہی جہاں سے نکلو گے اُسی کی سلطنت ہے

(۳۴) تو تم اپنے ربّ کی نعمتوں میں سے کون سی نعمت سے انکار کر سکتے ہو

(۳۵) بھیجا جائے گا تم پر دھواں نہ رکھنے والی آگ کا شعلہ اور خوفناک دھواں پھر تم مدد بھی حاصل نہ کر سکو گے

(۳۶) سو بتاؤ اپنے ربّ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے

(۳۷) پھر جب پھٹ جائے گا آسمان تو رنگے ہوئے چمڑے کی طرح گلگوں ہو جائے گا

(۳۸) پس تم دونوں گروہ اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾

''اے جنوں اور انسانوں کے گروہ اگر تمہاری طاقت میں ہے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ، تو نکلو تو سہی جہاں سے نکلو گے اُسی کی سلطنت ہے، تو تم اپنے ربّ کی نعمتوں میں سے کون سی نعمت سے انکار کر سکتے ہو''۔

عمود تفسیر کی دسویں شعاع

اس سے پہلی آیت میں اللہ کی طرف سے کئے جانے والے احتساب کا نقشہ اور شدت بیان کی گئی ہے۔ اب اس آیت میں خطاب پھر جنوں اور انسانوں کو کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر تم چاہو کہ سزا سے بھاگ کر بچ جاؤ گے تو ایسی طاقت اگر ہے تو آسمان اور زمین کی سرحدوں سے باہر نکل کر دکھاؤ۔ پکی بات یہ ہے تم ایسی طاقت نہیں رکھتے اور تم رکھ بھی نہیں سکتے، خدائی قوت پر کوئی قادر نہیں۔ تم خدائی پکڑ، احتساب، عدالت اور احکام صادرہ کی سلطنت سے کہیں بچ کر نکل نہیں سکتے۔ تم جدھر بھی رخ کرو گے ادھر ہی خدائی نظام کے نگران تمہیں گھیر لیں گے۔

سات آسمانوں کے مضبوط حصار اور گھیرے انسانوں اور جنات کو ہر طرف سے اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہیں۔ اگر موت سے فرار آیت کا اشارہ ہے کہ کسی کے امکان میں نہیں کہ موت سے وہ بچ جائے اور اگر اس سے مراد آخرت کا حساب اور احتساب ہے تو یہ بھی ممکن نہیں۔ حدیث میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ قیامت کے روز آسمان شَق ہو کر تمام فرشتے زمین کے کناروں پر آ جائیں گے اور ہر طرف سے محاصرہ ہوگا، جن اور انس قیامت کی ہولناک چیزوں کو دیکھ کر مختلف سمتوں میں بھاگیں گے لیکن ہر سمت فرشتوں کا محاصرہ دیکھ کر پھر اپنی جگہ لوٹ آئیں گے۔

وسیع صرف محبت کی سلطنت ہے

بعض حماقت گرفتگان نے یہاں ''اِلَّا بِسُلْطٰنٍ'' کا معنیٰ علمی، صنعتی اور سائنسی تسخیر کی صورت میں کیا ہے۔ ہماری محدود سائنس اپنی مسکینی اور محدودیت کی وجہ سے سمائے اول تک بھی رسائی حاصل نہیں کر سکی چہ جائیکہ ساتوں آسمانوں کی تسخیر ایسا نکما بول بولا جائے، ہاں ''بِسُلْطٰنٍ'' سے اس طرف اشارہ مانا جا سکتا ہے کہ محبت فاتحِ عالم ہے، کوئی شخص طاقت کے بل بوتے پر آسمانوں اور زمینوں کے اقطار سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ ہاں اللہ خود پیار سے اپنے محبوب کے لئے عالم بالا کی سیر ممکن بنا دے تو اس کی یہ عطا ہے۔ طاقت واقت حریم کبریا میں کوئی معنیٰ نہیں رکھتی۔ ساری کائنات خدائی قوت کے سامنے

مفردات

يٰمَعْشَرَ: دس دس کی جماعت، عام طور پر یہ لفظ گروہ ہی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے
الْجِنِّ: جنات کا گروہ
وَالْاِنْسِ: اور انسان
اِنِ: اگر
اسْتَطَعْتُمْ: تم طاقت رکھتے ہو
اَنْ: یہ کہ
تَنْفُذُوْا: تم نکل بھاگو
مِنْ: سے
اَقْطَارِ: سرحدیں، کنارے اور حدود وغیرہ
السَّمٰوٰتِ: آسمانوں
وَالْاَرْضِ: اور زمین
فَانْفُذُوْا: تو بھاگ نکلو
لَا تَنْفُذُوْنَ: تم نہیں بھاگ سکتے
اِلَّا: مگر
بِسُلْطٰنٍ: اس کے لئے خدا کی طاقت چاہئے جو تم میں ممکن نہیں
فَبِاَيِّ: تو کس کس
اٰلَآءِ: نعمتوں
رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی
تُكَذِّبٰنِ: تم تکذیب کرو گے

ذرہ ناچیز بھی نہیں۔

ثناءاللہ پانی پتی اسی لطیف معنیٰ کی طرف اپنی تفسیر میں اشارہ کرتے ہیں(52):

''آیت میں'' بِسُلْطٰنٍ'' سے مراد ''بسلطانی'' ہے یعنی اس کا معنیٰ میری ''قوت'' ہے۔مفہوم تاویل یہ ہے کہ آسمان اور زمین میں نظام حراثت کے دائرہ کوتوڑ ناممکن نہیں لیکن جب اللہ اپنی ''قوت'' کسی کو عطا کر دے تو وہ ساتوں آسمانوں سے ماوریٰ جہانوں کی سیر کرسکتا ہے، جیسے شب معراج رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جسم اطہر کے ساتھ مقامِ سدرہ سے بھی آگے نکل گئے۔اسی نکتہ کی تائید اسلوب آیت سے ہوتی ہے یعنی پاک ہے وہ جو اپنے خاص بندے کو رات کے مختصر سے حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا''۔واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

''بھیجا جائے گا تم پر دھواں نہ رکھنے والی آگ کا شعلہ اور خوفناک دھواں پھر تم مدد بھی حاصل نہ کرسکو گے،سو بتاؤ اپنے ربّ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

گیارہویں شعاع کی تیز چمک

سعدی المفتی لکھتے ہیں(53):

''یہ اس وقت ہوگا جب لوگوں کو میدان حشر میں جمع کیا جائے گا۔ان پر دھویں کے بغیر آگ کا شعلہ چھوڑا جائے گا جس میں دھمک،خوف اور دہشت ہوگی، وہ لوگوں کو گھیر کر میدانِ حشر کی طرف لے جائے گا''نار'' پر تنوین تفخیم کی ہے جو آگ کی ہولناکی میں مبالغہ کا معنیٰ دے رہی ہے''۔

مفردات

يُرْسَلُ: بھیجا جائے گا

عَلَيْكُمَا: تم دونوں پر

شُوَاظٌ: شعلہ

مِّنْ: سے

نَّارٍ: آگ یا آتشِ سوزاں

وَّنُحَاسٌ: اور دھواں

فَلَا تَنْتَصِرٰنِ: پھر تم نصرت نہ پاسکو گے

فَبِاَيِّ: پس کس کس یا کن کن

اٰلَآءِ: نعمتوں

رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی

تُكَذِّبٰنِ: تم جھٹلاؤ گے

ائمہ لغت نے ''شواظ'' اور ''نحاس'' کے معنیٰ میں فرق کھل کر لکھا ہے(54):

''شواظ'' وہ آگ ہوتی ہے جس میں دھواں نہ ہو۔ اس کی آنچ عمیق اور شدید ہوتی ہے۔ اس آگ کے رنگ کو تانبا سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ جبکہ راغب نے اس کا الٹ لکھا ہے یعنی'' شواظ'' دھویں کے بغیر آگ کا شعلہ اور ''نحاس'' دھویں والی آگ کا نام ہے''۔

حضرت ابوالعباس الکواشی لکھتے ہیں(55):

''النحاس'' قطر یعنی تانبے کو کہتے ہیں اور ''شواظ'' آگ کی وہ چنگاری ہوتی ہے جو پگھلے ہوئے تانبے سے اُڑے، گرم لوہے کی چنگاری بھی ''نحاس'' کہلاتی ہے''۔

قرآن مجید کی آیت گرفت کی شدت کو بیان کر رہی ہے کہ جنّوں اور انسانوں کے لئے فرار کیسے ممکن ہوگا؟ ایک طرف تمہارا احاطہ فرشتوں نے کر رکھا ہوگا، ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کے سات حصار ہوں گے۔ آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے، ان سے اڑنے والی چنگاریاں ایسی خوفناک ہوں گی جیسے تابکاری کا عمل سرعت سے یورینیم کی طرح تانبے کو پگھلا کر حرارت بنا رہا ہو۔ دھویں کی تہہ بہ تہہ لپٹیں اس پر مستزاد دہشت میں اضافہ کر رہی ہوں گی، اس وقت جنات اور انسانوں کی بے بسی کہ وہ کسی کی مدد بھی طلب نہیں کر سکیں گے۔ تیرہ اور دم گھٹنے والا ماحول پریشانیاں اُگلے گا۔ آگ الگ، دھواں مصیبت، حرارت مستزاد اور شعلے جیسے توپوں کے منہ سے ہدف پر بجلی بن کر گر رہے ہوں، عدالت الٰہی سے کون بھاگ سکے گا۔

آیت میں انسانوں اور جنّوں کے لئے وہ کون سی نعمت ہے جس کے بارے میں کہا جا رہا ہے تم کس کس اور کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ممکن ہے اشارہ اس طرف ہو کہ آج تم سمجھ جاؤ میرا پیارا رسول رحمتیں بانٹ رہا ہے، وہ تمہیں پہلے ہی خبردار کر رہا ہے کہ بروز حشر یہ کچھ ہوگا۔ اگر تم آج سر تسلیم خم کر لو تو ہنگامۂ محشر میں تمہارے لئے امن ہی امن ہوگا اور یہ معنیٰ بھی ممکن ہے کہ ترغیب کی طرح ترہیب بھی کردار ساز اور ایمان آفرین ثابت ہو سکتی ہے۔ سورۃ الرحمن میں ترغیب اور ترہیب کے دونوں اسلوب موجود ہیں۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾

''پھر جب پھٹ جائے گا آسمان تو رنگے ہوئے چمڑے کی طرح گلگوں ہو جائے گا، پس تم دونوں گروہ اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

سورۃ الرحمٰن کی دعوتیں اور فہم کی بارہویں شعاع

علامہ بغوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں (56):

''وَرْدَةً'' کا معنیٰ سرخ پھول بھی ہوتا ہے لیکن اصل ''ورد'' اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو ہوتا تو سفید ہے لیکن اس کی رنگت سرخ رنگ کی طرف مائل ہوتی ہے''۔

قتادہ کہتے ہیں آج آسمان کی رنگت سبز ہے لیکن قیامت کے وقوع پر یہ گلگوں ہو جائے گا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں (57):

''ہنگامۂ حشر بپا ہو گا تو آسماں ''اسپِ ورد'' کی طرح رنگ بدلے گا۔ وہ موسم بہار میں زرد ہوتا ہے موسم سرما کی شدت اس کے رنگ کو سرخ کر دیتی ہے۔ یخ بستہ ہوائیں چلیں تو اس گھوڑے کا رنگ خاکستری ہو جاتا ہے۔ یہاں انقلاباتِ قیامت کی بنا پر آسمان کے رنگ بدلنے کو ''اسپِ ورد'' کے رنگ بدلنے سے تشبیہہ دی گئی ہے''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ آسمان رنگا رنگ ہو جائے گا، کبھی تلچھٹ کی طرح اور کبھی سرخ چمڑے کی طرح۔

اصل میں قرآن مجید کی یہ آیت قیامت کے دن میں کائناتی انقلابات کا منظر پیش کرتی ہے۔ آسمان کا پھٹ جانا، بہتے تیل کی مانند یا سرخ چمڑے کی طرح گلگوں ہو جانا مکمل تباہی پر دلالت کرتا ہے۔ افلاک و کواکب کا درہم برہم ہو جانا، ستاروں کا باہم ٹکرانا، سیاروں کا اپنے مدار سے گھوم جانا، آسمانی دھماکوں کا آگ اگلنا، پہاڑوں کا بکھر جانا اور سورج چاند کا جمع ہو جانا۔

قرآن مجید کہتا ہے:

''جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا اور ستارے بے نور ہو جائیں گے، پہاڑ دوڑنے لگ جائیں گے اور دس ماہ کی

مفردات

فَاِذَا: پھر جب
انْشَقَّتِ: پھٹ جائے گا
السَّمَآءُ: آسمان
فَكَانَتْ: تو ہوگا
وَرْدَةً: سرخ جیسے پھولوں کی لالی ہوتی ہے
كَالدِّهَانِ: چمڑے کی طرح، ممکن ہے ''کدھان'' سے مراد تیل ہو یعنی تپش سے پسینہ بن کر آسمان سے ٹپکے
فَبِاَیِّ: پس کون کون سی
اٰلَآءِ: نعمتیں ہیں
رَبِّكُمَا: تمہارے ربّ کی
تُكَذِّبٰنِ: جنہیں تم جھٹلاسکو

حاملہ اونٹنیاں بے کار ہو جائیں گی‘‘۔

یہ لرزہ خیز واقعات اور حقائق ذہنوں اور روحوں پر زور دیتے ہیں کہ آج جب دورِ عمل کی مہلت ہے، تکذیب کی دھواں آلود فضا میں نظم کائنات کا نور پھیلایا جا رہا ہے، دلوں کی دھڑکنوں میں ایمان و تسلیم کا وجد پیدا کیا جائے اور مختلف نعمتوں پر شکر کا وسیلہ اپنا کر کردار سازی کی جائے۔ سورۃ الرحمن کا ترانہ یہی فضا قائم کرنا چاہتا ہے تو جنوں اور انسانوں کے گروہ تم اپنے ربّ کی کون کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۚ﴿۳۹﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾
يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۚ﴿۴۱﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾
هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۙ﴿۴۳﴾
يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۚ﴿۴۴﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

(۳۹) پھر اُس دن انسانوں اور جنات کے گناہوں کے بارے میں سوال کی حاجت نہیں ہوگی
(۴۰) تو تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے
(۴۱) مجرم اپنے چہروں ہی سے پہچان لئے جائیں گے پھر انہیں پیشانیوں اور ٹانگوں سے پکڑ لیا جائے گا
(۴۲) تو تم دونوں اپنے ربّ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے
(۴۳) یہ ہے دوزخ جس کی جرائم پیشہ لوگ تکذیب کیا کرتے تھے
(۴۴) دوزخ کی آگ کے درمیان از حد گرم کھولتے ہوئے پانی میں انہیں چکر چڑھے ہوں گے
(۴۵) پھر تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے ناشکری کرو گے

جائے گا اس کے لئے لا الہ الا اللہ باعث انس ہوگا کہا جائے گا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آپ مشاہدہ فرمائیں گے کہ لوگ سروں سے خاک جھاڑتے قبروں سے اٹھ رہے ہوں گے۔ ایک کہتا ہوگا ''لا الہ الا اللہ والحمدللہ'' اس کا رنگ سفید نور کی طرح چمکتا ہوگا اور دوسرا واویلا مچا رہا ہوگا کہ ہائے افسوس مجھ سے اللہ کے معاملہ میں غلطیاں اور قصور ہوئے۔ ایسے شخص کا سیاہ اور کالا چہرہ ہی اس کی پہچان ہوگا''۔

سید قطب (61) اور دیگر مفسرین نے یہ بھی صحیح لکھا کہ قیامت کے دن پچاس کے قریب لوگوں کے پیشی کے مقامات ہوں گے۔ ہر ایک کی کیفیت دوسرے سے جدا ہوگی، کہیں چلانے کی وحشت ہو گی، کہیں مناظر کی تلخی جان لیوا بنی ہوگی، کہیں اعضا اور ابدان کے اقبال جرم کا نقشہ ہوگا، کہیں زنجیروں میں مجرموں کو کسا جا رہا ہوگا اور کہیں باریک بینی کے ساتھ پوچھ گچھ کر کے عدالت کے مرحلے مجرمین کے سامنے لائے جا رہے ہوں گے اور کہیں آشکار ہونا اتنا واضح ہوگا کہ زبان کے جھلی کے نیچے تھوک جرائم کی کیفیت بیان کرے گا اور رخساروں کا رنگ اندرونی کیفیت کا پتہ دے گا۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿٤١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٢﴾

''مجرم اپنے چہروں ہی سے پہچان لئے جائیں گے پھر انہیں پیشانیوں اور ٹانگوں سے پکڑ لیا جائے گا، تو تم دونوں اپنے ربّ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

چودھویں شعاع چہرہ شناسی

آیت میں پانچ قسم کے مضامین روح اور ذہن میں رحمت کے بیج بو رہے ہیں:

(1) مجرم شناسی ایک نعمت ہے اور ایمان کا نور، بصیرت کا چراغ ہے جس کی روشنی میں پوچھنا نہیں پڑتا۔ چہرہ اور پیشانی کی رنگت، انداز، تاثر اور روّیہ بتا دیتا ہے سمو اور رونق کس چہرہ پر ہے اور یبوست، قنوطیت اور بے رونقی کہاں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں۔

آیت کہتی ہے کہ چہرے بروزِ قیامت چور پکڑا دیں گے۔ مجرمین کا وجود ہی ان کے لئے کافی ہوگا۔ ان کی ظلمتیں ان کے چہرے کا نقاب بنی ہوں گی، ان کے جرائم بول رہے ہوں گے۔

مفردات

يُعْرَفُ: پہچان لئے جائیں گے
الْمُجْرِمُوْنَ: جرائم پیشہ لوگ
بِسِيْمٰهُمْ: اپنی پیشانیوں یا اپنے چہروں سے
فَيُؤْخَذُ: تو پکڑ لیا جائے گا
بِالنَّوَاصِيْ: پیشانیوں کے بالوں سے
وَالْاَقْدَامِ: اور ٹانگوں سے
فَبِاَيِّ: تو کون کون سی
اٰلَآءِ: نعمتوں
رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی
تُكَذِّبٰنِ: تم جھٹلاؤ گے

جائے گا اس کے لئے لا الہ الا اللہ باعث انس ہوگا کہا جائے گا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آپ مشاہدہ فرمائیں گے کہ لوگ سروں سے خاک جھاڑتے قبروں سے اٹھ رہے ہوں گے۔ ایک کہتا ہوگا ''لا الہ الا اللہ والحمدللہ'' اس کا رنگ سفید نور کی طرح چمکتا ہوگا اور دوسرا واویلا مچا رہا ہوگا کہ ہائے افسوس مجھ سے اللہ کے معاملہ میں غلطیاں اور قصور ہوئے۔ ایسے شخص کا سیاہ اور کالا چہرہ ہی اس کی پہچان ہوگا''۔

سید قطب (61) اور دیگر مفسرین نے یہ بھی صحیح لکھا کہ قیامت کے دن پچاس کے قریب لوگوں کے پیشی کے مقامات ہوں گے۔ ہر ایک کی کیفیت دوسرے سے جدا ہوگی، کہیں چلانے کی وحشت ہو گی، کہیں مناظر کی تلخی جان لیوا بنی ہوگی، کہیں اعضا اور ابدان کے اقبال جرم کا نقشہ ہوگا، کہیں زنجیروں میں مجرموں کو کسا جا رہا ہوگا اور کہیں باریک بینی کے ساتھ پوچھ گچھ کر کے عدالت کے مرحلے مجرمین کے سامنے لائے جا رہے ہوں گے اور کہیں آشکار ہونا اتنا واضح ہوگا کہ زبان کے جھلی کے نیچے تھوک جرائم کی کیفیت بیان کرے گا اور رخساروں کا رنگ اندرونی کیفیت کا پتہ دے گا۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿٤١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٢﴾

''مجرم اپنے چہروں ہی سے پہچان لئے جائیں گے پھر انہیں پیشانیوں اور ٹانگوں سے پکڑ لیا جائے گا، تو تم دونوں اپنے ربّ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

چودھویں شعاع چہرہ شناسی

آیت میں پانچ قسم کے مضامین روح اور ذہن میں رحمت کے بیج بو رہے ہیں:

(1) مجرم شناسی ایک نعمت ہے اور ایمان کا نور، بصیرت کا چراغ ہے جس کی روشنی میں پوچھنا نہیں پڑتا۔ چہرہ اور پیشانی کی رنگت، انداز، تاثر اور روّیہ بتا دیتا ہے سمو اور رونق کس چہرہ پر ہے اور یبوست، قنوطیت اور بے رونقی کہاں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں۔

آیت کہتی ہے کہ چہرے بروزِ قیامت چور پکڑا دیں گے۔ مجرمین کا وجود ہی ان کے لئے کافی ہوگا۔ ان کی ظلمتیں ان کے چہرے کا نقاب بنی ہوں گی، ان کے جرائم بول رہے ہوں گے۔

مفردات

يُعْرَفُ: پہچان لئے جائیں گے
الْمُجْرِمُوْنَ: جرائم پیشہ لوگ
بِسِيْمٰهُمْ: اپنی پیشانیوں یا اپنے چہروں سے
فَيُؤْخَذُ: تو پکڑ لیا جائے گا
بِالنَّوَاصِيْ: پیشانیوں کے بالوں سے
وَالْاَقْدَامِ: اور ٹانگوں سے
فَبِاَيِّ: تو کون کون سی
اٰلَآءِ: نعمتوں
رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی
تُكَذِّبٰنِ: تم جھٹلاؤ گے

(2) ''چہرہ شناسی'' تقویٰ کے فیوضات سے دنیا میں بھی ممکن ہوتی ہے ۔ چہرے بتاتے ہیں کس نے نماز پڑھی ہے اور کس نے نماز نہیں پڑھی ہے ۔ نیکیاں کس کی کمائی ہیں اور جرائم کس کا کسب ہے ۔ حدیث ہے جو شخص قبلہ کی طرف ناک کی ریزش ڈالے گا قیامت کے دن جب وہ اٹھے گا تو ریزش اس کے چہرے سے عیاں ہوگی (62)۔

ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن غنی سائل اور مانگٹ کو اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے چہرے پر کھرونچے اور خراشیں ہوں گی ۔ قیامت کے دن دو رخے شخص کو اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے دو چہرے ہوں گے جو آگ کے ہوں گے ۔ اسی طرح حدیث میں ہے حق تلفی کرنے والوں کی گردن میں وہ چیز لٹکا دی جائے گی جو کسی کا حق مار کر لی گئی ہوگی (63)۔

(3) آیت میں قابلِ توجہ نکتہ یہ بھی ہے کہ ''ناصیہ'' تعریف سمجھی جائے ۔ ''نواصی ،ناصیہ'' ہی کی جمع ہے ۔ راغب لکھتے ہیں کہ سر کے آگے کے بالوں کو ''ناصیہ'' کہتے ہیں اس کا مادہ ''نصا'' ہے جس کا اساسی معنیٰ اتصال اور پیوستہ ہونے کے ہوتے ہیں ۔ ''ناصیہ'' کا معنیٰ اگلے بالوں کی مٹھی بنا کر انہیں نوچنا اور کسی مجرم کو ذلیل کرنا ۔ یہ لفظ کسی چیز پر مکمل قبضہ کرنے کے لئے کنایہ ہے (64)۔

محمد بن کعب فرماتے ہیں بدکار شخص کی پیشانی کے بال پکڑ کر اسے گرم پانی میں غوطہ دیا جائے گا ۔ ضحاک کا قول ہے پیشانی کو قدموں سے ملا دیا جائے گا پھر پشت کے پیچھے زنجیر ڈال کر جکڑ لیا جائے گا (65)۔

(4) چہرے کراہت اور نفرت کے نشانات بھی ہوتے ہیں لیکن وہ لوگ جن کے چہرے شاداب ہوں گے ۔ اللہ کا نور جلوہ بن کر ان کے چہروں سے عیاں ہوگا ۔ ان پر اگر نگاہ پڑ جائے تو اللہ کا ذکر دل کی دھڑکنوں پر مالا مثل جاری ہو جائے گا ایسے چہروں کی تلاش بھی ایک نعمت ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''علی کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے'' ۔ قتورت اور ظلمت کی طرح بے رونق لوگ اپنے چہرہ پر بدی پا لتے ہیں ۔ ان سے صحبت گریزی لازم ہے اور نیک، خوش رو ، خوش خصال اور خوش حال لوگوں کی صحبت لازم ہے ۔ بروزِ قیامت یہ ایک بڑی نعمت ہوگی ۔

(5) قیامت کے دن مجرمین کی ذلت بیان کی گئی ۔ ان بد بخت اور محروم لوگوں کی ذلت کے مناظر قاریٔ قرآن کے سامنے لائے گئے اور پوچھا گیا تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو

جھٹلا ؤ گے ۔ اصل سوال احساس، ضمیر اور روح سے ہے کہ کیا ان احوال کے جاننے کے باوجود تکذیب ممکن ہے۔ اصل عمودِ آیت یہ ہے کہ اللہ سے ربط ذہنی ، ربط روحی ، ربط عملی اور ربط علمی مضبوط ہوجائے۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

’’یہ ہے دوزخ جس کی جرائم پیشہ لوگ تکذیب کیا کرتے تھے، دوزخ کی آگ کے درمیان ازحد گرم کھولتے ہوئے پانی میں انہیں چکر چڑھے ہوں گے، پھر تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے ناشکری کرو گے‘‘۔

معنوی حقیقتوں کی پندرہویں شعاع

سورۃ الرحمٰن کی تین آیات دارالجزا کا ایک اور منظر نامہ قرآن پڑھنے والوں کے سامنے لاتی ہیں۔ بلاشبہ آیات کے مخاطب ذات اطہر ﷺ ہیں اور اللہ انہیں اس نارِ جہنم کی خصوصیات سے آگاہ فرما رہا ہے۔ ممکن ہے حضور ﷺ کے علم سے کوئی روح مستفید ہوجائے اور تکذیب کے وبال سے بچ جائے یا یہ معنیٰ بھی ہوسکتا ہے کہ مجرمین کے عواقبِ اُمور نیک لوگوں کے لئے باعث تسکین ہو جائیں اور وہ شکرِ مزید کی لذتوں سے بہرہ مند ہوں کہ اللہ نے انہیں ان تلخیوں سے بچالیا ہے۔

نار جہنم کے بھڑکتے شعلوں کے پاس ہی تلخ، کھولتا ہوا اور جلا دینے والا پانی ہوگا، جہاں مجرمین کی آمدورفت ہوگی۔ ’’ حَمِيْمٍ ‘‘ کا معنیٰ کھولتا ہوا پانی ہوتا ہے۔ جہنمیوں کو پہلے اسی چشمہ پر لایا جائے گا بعد ازاں ان کو نارِ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ ’’يَطُوْفُوْنَ ‘‘ ایک ذلت آمیز تعبیر ہے جس سے ’’مجرمین‘‘ کی نفسیاتی ذلت کی تصویر کشی کی جارہی ہے اس لئے کہ مجرم جس وقت اپنے بُرے انجام کو یقینی طور پر جان لیتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی ذلت کناں داستاں ادھر ہی ختم کردی جائے لیکن قرآن کہتا ہے کہ ’’يَطُوْفُوْنَ ‘‘ انہیں گھمایا جائے گا ، پھیرا جائے گا ، انہیں عذاب کے مناظر کے درمیان ہرجائی کردیا جائے گا اور وہ چاہیں گے کہ بات ختم ہوجائے لیکن کبھی دوزخ، کبھی بھڑکتے شعلے، کبھی کھولتا پانی اور کبھی برستی آگ انہیں اِدھر ہونے دے گی اور نہ اُدھر ہونے دے گی ۔ قرآن حکیم کہتا ہے اس دوزخ سے بچنے والے مسلمان لوگو اور مسلمان جنات اب تم نعمتوں کو ذہن اور روح میں لاؤ اللہ نے کتنا کرم کیا کہ تمہیں اپنے نبی کے وسیلۂ دعوت سے ان تلخیوں سے محفوظ رکھ لیا۔

❁❁❁❁❁

مفردات

هٰذِهٖ: یہی
جَهَنَّمُ: وہ دوزخ ہے
الَّتِيْ: وہ
يُكَذِّبُ: جھٹلاتے تھے
بِهَا: اسے
الْمُجْرِمُوْنَ: مجرم لوگ
يَطُوْفُوْنَ: وہ گردش کرتے رہیں گے
بَيْنَهَا: درمیان اس کے
وَبَيْنَ: اور درمیان
حَمِيْمٍ: کھولتا ہوا پانی
اٰنٍ: انتہا درجہ کا گرم
فَبِاَيِّ: تو کس کس
اٰلَآءِ: نعمت کو
رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی
تُكَذِّبٰنِ: تم جھٹلاؤ گے

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾
ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾

(۴۶) وہ شخص جو اپنے ربّ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اُس کے لئے دو ''جنتیں'' ہیں

(۴۷) تو تم دونوں گروہ اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے

(۴۸) تروتازہ شاخوں والے خوبصورت درخت پھلوں سے لدے ہوئے

(۴۹) تو اے جنوں اور انسانوں کے گروہ تم اپنے پالن ہار کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾

''وہ شخص جو اپنے ربّ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اُس کے لئے دو ''جنتیں'' ہیں، تو تم دونوں گروہ اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

سولہویں شعاع دلکش باغات

وہ شخص جو اپنے ربّ کے ہاں حضوری سے ڈر گیا اس کے لئے دو جنتیں ہیں، انعام میں دو باغ ہیں۔ ممکن ہے اس سے اشارہ اس طرف کیا گیا ہو کہ ایک باغ جنّات کے لئے ہے اور دوسرا باغ اہل ایمان انسانوں کے لئے ہے (66)۔

علامہ اسماعیل حقی نے لکھا کہ خوف سے مراد یہ ہے کہ ایسا شخص جس نے بُرائی کا ارادہ کیا اور پھر اللہ کے خوف سے اس بدی کے ارتکاب سے رک گیا تو اس شخص کو یہ انعام نصیب ہوگا (67)۔

مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ ہر انسان کو دو جنتیں ملیں گی: ایک ایمان کامل پر انعام اور دوسری جنت اعمال صالحہ کی جزا میں نصیب ہوگی۔

یہ بھی لکھا گیا کہ ایک اعمال صالحہ پر اور دوسری گناہوں سے بچنے کی وجہ سے ملے گی (68)۔

بغوی وغیرہ مفسرین نے لکھا کہ ایک جزاء الاعمال اور دوسری فضل ربی سے ملے گی (69)۔

ابن عاشور نے لکھا کہ ''لِمَنْ'' میں لام مِلک کا ہے یعنی باغ صرف تھوڑی دیر کی نزعت اور سیر کے لئے نہیں ہوں گے بلکہ اہل خوف کی مِلک میں دے دئے جائیں گے، وہ جیسے چاہیں گے اس باغ کی نہروں، خنک سایوں، پانیوں اور پھلوں کی لذت سے بہرہ ور ہوں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تثنیہ کا صیغہ کنایہ ہو کثرت کے لئے یعنی طرح طرح کے باغات ہوں گے یا ہر باغ کی دو دو قسمیں ہوں گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ تثنیہ کا صیغہ ''فواصل بلاغی'' کے لئے لایا گیا ہو، فرا نے یہی لکھا (70)۔

''مَقَامَ'' کی تشریح

''مَقَامَ'' اسم مکان ہے اور اس سے مراد بروزِ قیامت وہ جگہ مراد ہے جہاں حساب کے لئے مخلوق کھڑی ہوگی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مقام ''مصدر میمی'' ہو جو قیام کے معنوں میں لایا گیا ہو اور اپنے فاعل کی طرف مضاف ہو یعنی جو اپنے ربّ کے حضور محاسبہ سے ڈر گیا (71)۔ امام قشیری کا ایک تفسیری قول جمالیاتی لذتوں کی سلسبیل محسوس ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ''اہل ایمان اور اہل محبت کو دو باغ

مفردات

وَلِمَنْ: اور اس کے لئے جو
خَافَ: ڈرا، خوف رکھا
مَقَامَ: کھڑا ہونے کی جگہ، ربّ کے سامنے حضوری
رَبِّهٖ: اپنے ربّ سے
جَنَّتٰنِ: دو باغ ہیں
فَبِاَیِّ: تو کس کس؟
اٰلَآءِ: نعمت سے
رَبِّكُمَا: تم دونوں اپنے ربّ کی
تُكَذِّبٰنِ: جھٹلاؤ گے

ملیں گے ایک تو اس کیفیت کو باغ اور مقام سے تعبیر کیا گیا ہے جہاں لذتِ مناجات ملے گی۔ مشاہدۂ حقائق ہوگا اور واردات قلبیہ دل میں بڑے حسن کی زیارت کی صلاحیت پیدا کریں گی (72)، اسی کو جبائی نے بھی بیان کیا اور کہا ''مَقَامَ'' سے مراد وہ محل ہے جہاں اللہ کے دوستوں کی زیارت ہوگی۔ یہاں لذاتِ لقا سے روحیں مچل جائیں گی اور پھر دوسری جنت وہ ہوگی، بے تاب نظریں جمالِ توحید کی زیارت سے لذت گیر ہوں گی (73)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے (74):

اللھم ارزقنا لذت النظر الی لقائک

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مقام نظرات کی تشریح اس حدیث سے بھی ممکن ہے:

کلیمینی یا حمیرا

''حمیرا سے مراد عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ کلمہ آپ اس وقت ارشاد فرماتے جب آپ اپنی قوت حس سے تبلیغ وارشاد یا نظم امور کے لئے غائب ہوجاتے''۔

دردمند لوگوں کی جمالیاتی جنتیں

وہ لوگ جو دردمند ہیں دنیا میں ان کی طلب اللہ کے لئے ہمہ دم دوآتشہ رہتی ہے، ان کی آنکھیں لذت دیدار حاصل کرنے کے لئے خون کے آنسو بہاتی رہتی ہیں۔ ان کے دلوں کی دھڑکنوں پر فراق کے ترانے شعلہ آفریں رہتے ہیں اور ان کی روحیں قالب خاکی میں اسیری پر افسردہ رہتی ہیں۔ جب ''مقام محبت'' پر پہنچیں گی اللہ انہیں چار جنتیں عطا کرے گا: دو جنتیں چاندی کی ہوں گی اور دو سونے کی ہوں گی، معنیٰ یہ کہ ظروف اور برتن دو میں چاندی کے ہوں گے اور دو میں سونے کے ہوں گے لیکن ایسے لوگوں کی وہاں پہنچ کر بھی بے چینیاں قائم رہیں گی جب تک جنابِ باری کی زیارت نہیں ہوگی۔ انہوں نے خود کو مقام فنا میں رکھا ہوگا۔ درد اور عشق کی اسی کیفیت میں اللہ انہیں مقام شہود نصیب فرما دے گا (75)۔

صوفیاء نے یہی لکھا:

''جَنَّتٰنِ'' سے مراد ایک نعمۃ المشہود میں جنۃ الفنا ہے
اور دوسری جنۃ البقا ہے (76)''۔

❁❁❁❁❁

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾

''تروتازہ شاخوں والے خوبصورت درخت پھلوں سے لدے ہوئے، تو اے جنوں اور انسانوں کے گروہ تم اپنے پالن ہار کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے''۔

سترہویں شعاع شاخ در شاخ درخت

تاج العروس میں زبیدی حنفی لکھتے ہیں (77):

''اَفْنَانٍ'' کی جمع الجمع ''افانین'' آتی ہے۔ وہ حسین موسم جس میں شجر وکلا گھنیرے ہو جائیں زمیندار لوگ درختوں کی شاخوں ہی کو مروڑ کر رسیاں بنا لیتے ہیں جن سے وہ مویشیوں کو باندھنے کا کام لیتے ہیں۔ وہ شاخیں جو بٹ کر کسی کو مقید کر لیں وہ ''اَفْنَانٍ'' کہلاتی ہیں۔ باغوں میں خوبصورت درختوں پر نازک اور خوبصورت شاخیں جب پھلوں کو اپنی آغوش میں لے کر اپنے پتوں سے تالیاں پیٹیں اور سائے بھنگڑے ڈالیں اور ان کا رقص تسنیم و سلسبیل کی موجوں میں غوطے کھائے، فطری بات ہے یہ نظارہ دیکھنے والا اپنی روح کو اس حسن کا اسیر بنا لیتا ہے۔ سورۃ الرحمٰن یہ کہہ رہی ہے کہ دو باغوں میں خوبصورت درختوں کی دلآویز شاخیں خنک سائے مہیا کریں گی۔ باغ پھلوں اور پھلاریوں سے لدے ہوں گے۔

لسان العرب میں ابن منظور لکھتے ہیں (78):

''فنون النبات'' کا معنٰی ہوتا ہے رَو در رَو پودے جن کے سروں پر مختلف رنگوں میں پھول کھلے ہوں۔ اسی سے مختلف قسموں کی کوئی ایک چیز جو نادر الحسن ہو ''فن'' کہلاتی ہے۔ صاحبِ فن بھی وہی شخص ہوتا ہے جو اپنی محنت اور خصوصیت کو تفرد اور امتیاز کا رنگ دے دے اور اس کی تخلیق روح اور دل میں اتر جائے''۔

مفردات

ذَوَاتَآ: دونوں ہوں گے، اشارہ دو باغوں کی طرف ہے

اَفْنَانٍ: لمبی لمبی ٹہنیاں ہوں گی جو پتوں، چھوٹی شاخوں اور پھلوں سے لدی ہوں گی

فَبِاَيِّ: تو کون کون سی

اٰلَآءِ: نعمتوں میں سے

رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی

تُكَذِّبٰنِ: تم جھٹلاؤ گے

راغب اصفہانی لکھتے ہیں(79):

"فن" کا اساسی معنیٰ پھینکنا ہوتا ہے۔حسن اور تخلیق جب
معراج پالیں تو دیکھنے والا ان میں اس طرح ڈوب جاتا
ہے کہ وہ اس مشاہد کے علاوہ ہر چیز کو پھینک دیتا ہے"۔

گفتگو اور تحریر میں صاحبِ فن وہ شخص ہوتا ہے جس کے کلام میں توسع ہو۔وہ ایک ہی بات کو کئی طریقوں سے کرنے پر قادر ہو۔وہ آواز جو مست کر دے اور بندہ اس میں ڈوب جائے وہ "فن" ہوتی ہے۔اونٹنی کو مالک کی آواز مست کر دیتی ہے اس لئے اسے بھی "فن" کہہ دیتے ہیں۔وہ سایہ جو دیواروں تک آجائے "فن" کہلاتا ہے۔پرانا کپڑا اور پرانی خوشبو "اَفۡنَانٍ" کہلاتی ہیں(80)۔

❁❁❁❁❁

فِيۡهِمَا عَيۡنٰنِ تَجۡرِيٰنِ ۚ ﴿۵۰﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾
فِيۡهِمَا مِنۡ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوۡجٰنِ ۚ ﴿۵۲﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾
مُتَّكِـِٕيۡنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَآئِنُهَا مِنۡ اِسۡتَبۡرَقٍ ؕ وَجَنَا الۡجَنَّتَيۡنِ دَانٍ ۚ ﴿۵۴﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾

(۵۰) دونوں باغوں میں دو چشمے بہہ رہے ہوں گے
(۵۱) تو تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے
(۵۲) ان دونوں باغوں میں طرح طرح کے پھلوں کی دو دو قسمیں ہوں گی
(۵۳) تو تم دونوں اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے
(۵۴) ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشمی کپڑے کے ہوں گے اور دونوں باغوں کے پکے پکے پھل اُن کی دسترس میں ہوں گے
(۵۵) تو تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ۚ﴿۵۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ۚ﴿۵۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾

''دونوں باغوں میں دو چشمے بہہ رہے ہوں گے، تو تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے، ان دونوں باغوں میں طرح طرح کے پھلوں کی دو دو قسمیں ہوں گی، تو تم دونوں اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

اٹھارہویں اور انیسویں شعاع

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک نہر کا نام تسنیم ہے اور دوسری کا نام سلسبیل ہے (81)۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جنت کی نہروں میں سرخ یاقوت اور سبز زبرجد پڑے ہوئے ہیں (82)۔ ان کی وجہ سے پانی کی روانی میں تیزی اور نظر افروزی کی صفت آ گئی ہے۔ اس پانی کی فطرت شفاف ہونا اور لطیف ہونا ہے۔ پانی چونکہ بے رنگ ہوتا ہے اس لئے جنت میں بے رنگ نظر آنے سے پانی کی خوبصورتی متاثر ہو سکتی تھی اس لئے زبرجد اور یاقوت سے سبز رنگ اور سرخ رنگ کا نظارہ روحوں کو جذب کر لینے کے لئے ہوگا۔ نیچے خاک اور مٹی کے نظر آنے کی بجائے کافوری حسن جھلملائے گا۔ نہروں کے کنارے ارغوانی اور زعفرانی ہوں گے۔ انسان ان نہروں سے فیض یاب اپنے شعور کی رفتار سے ہوگا۔

شیخ ابوبکر وراق فرماتے ہیں (83):

> ''اصل میں وہ لوگ جن کی دو آنکھیں دنیا میں خوف الٰہی سے آنسوؤں اور اشکوں سے بھری رہتی ہوں ان کے لیے بروز محشر دو چشمے رواں ہوں گے۔ جنتی جیسے چاہیں گے وہ چشمے کبھی زیر ہو کر اور کبھی زبر ہو کر رواں ہوں گے''۔

لطیف جنت میں پھلوں کا جوڑا جوڑا ہونا بیان نعمت میں لذیذ اسلوب کا حامل ہونا ہے۔ علمائے تفسیر لکھتے ہیں کہ دونوں باغوں میں ہر پھل دو قسم کا ہوگا: ایک تو معروف اور دوسرا غیر معروف، بالکل ہی کسی چیز کا نامانوس ہونا بعض اوقات بُعد طبعی کا باعث بن جاتا ہے اس لئے یہاں مانوس پھل ہوں گے لیکن ان کا ذائقہ اپنی حلاوت اور کشش میں بے نظیر ہوگا اور دوسرا پھل حیرت انگیز نعمت کا ذائقہ لئے ہو گا انہیں کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا اور نہ ہاتھ نے چھوا ہوگا (84)۔

جوڑا جوڑا ہونے کا معنیٰ اسماعیل حقی نے تر اور خشک پھل مراد لئے ہیں اور یہ بھی کہا ہے کہ

مفردات

فِيْهِمَا: ان دونوں میں
عَيْنٰنِ: دو چشمے ہیں
تَجْرِيٰنِ: جاری، رواں دواں
فَبِاَيِّ: تو کس کس
اٰلَآءِ: نعمت
رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی
تُكَذِّبٰنِ: تم جھٹلاؤ گے
فِيْهِمَا: ان میں
مِنْ كُلِّ: ہر ایک سے
فَاكِهَةٍ: پھل
زَوْجٰنِ: جوڑا جوڑا
فَبِاَيِّ: تو کون کون سی
اٰلَآءِ: نعمت
رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی
تُكَذِّبٰنِ: تم جھٹلاؤ گے

میٹھے اور کھٹے پھل مراد ہیں لیکن اس کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ دنیا کا کوئی پھل خواہ وہ میٹھا ہو یا تلخ جنت میں موجود ہوگا لیکن کڑوے پھل جنت میں میٹھے ہو جائیں گے، یہاں تک کہ حنظل بھی میٹھا ہو جائے گا اس لئے کہ جنت میں حلاوت طاعات کی ہوگی (85)۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾

''ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشمی کپڑے کے ہوں گے اور دونوں باغوں کے پکے پکے پھل اُن کی دسترس میں ہوں گے، تو تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

سورت کی بیسویں شعاع

جنت کے بستروں اور پھلوں کی کیفیت

ابنِ کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں (86):

''جنتی لوگ بے فکری سے تکیے لگائے ہوں گے، وہ بیٹھ کر آرام کر رہے ہوں یا لیٹ کر پُرسکون ہو رہے ہوں، ان کے تکیے اور بستر خوبی اور جمال کا دل کش اہتمام رکھتے ہوں گے۔ ان کے بچھونوں کے اندر کا استر دبیز، زرّیں اور خالص ریشم سے بنا ہوگا۔ بستر کی لطافت اور خوشبو دماغوں کو معطر کر رہی ہوگی، یہ دیباج کے روشن بستروں کی اندرونی کیفیت ہوگی، جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ استر کا نور یہ ہوگا تو ابرہ کی کیفیت کیسے جگمگا رہی ہوگی''۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابرہ نور کا بنا ہوگا۔ اظہارِ نور و رحمت کا جلوہ آرام نواز بنا ہو گا۔ زحمت اور کلفت نام کی کوئی شئ وہاں نہیں ہوگی۔ رنگوں اور نکہتوں کی دو دو جنتیں پھل نوازیاں کریں گی۔ میوے چننے کی تکلیف نہیں ہوگی۔ پھلوں سے لدی ہوئی شاخیں خود ہی جھک جھک کر قربت کے مزے لے رہی ہوں گی۔ شاخوں کا جھومنا، ٹہنیوں کا رقص کناں ہونا، میووں اور پھلوں کا ہونٹوں کے قریب ہو کر لبوں کے بوسے لے لینا۔ ہائے وہ عطر بیزیاں، نکہت آرائیاں، گلکاریاں، پھُل کاریاں

مفردات

مُتَّكِـِٕيْنَ: تکیہ لگانے والے، ٹیک لگانے والے

عَلٰى: پر

فُرُشٍ: بستر ے، بچھونے، غالیچے، جو چیز نیچے بچھائی جائے

بَطَآىِٕنُهَا: ان کے استر، کپڑے کا اندرونی حصہ باطن ہوتا ہے

مِنْ: سے

اِسْتَبْرَقٍ: نفیس اور دبیز ریشم جس میں چمک ہو، کپڑے جو نظروں کو اپنے اندر جذب کر لیں

وَجَنَا: بہت گھنے اور زیادہ پھل ہوں گے

الْجَنَّتَيْنِ: دونوں باغوں کے

دَانٍ: جھکے جھکے

فَبِاَىِّ: تو کون کون سی

اٰلَآءِ: نعمتیں

رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی

تُكَذِّبٰنِ: تم جھٹلاؤ گے

اور فصل رحمت کی سرمستیاں، جنتی بہاروں کی رعنائیاں اور لطف آفریں ماحول کی گلفشانیوں میں اصحاب جنت کی مسکراہٹیں، موجہ گل سے چراغاں ماحول اور ثمر باریوں کا جوش اور جنت میں جانے کا مزہ تو مراسم جاں نواز ہوگا ہی لیکن یہاں تو آیت کی تلاوت ہی اتنی اشتیاق انگیز ہے کہ دل سنبھالا نہیں جا رہا، محسوس ہوتا ہے کوئی طائر چمن دنیا ہی میں شراب طہور برسا رہا ہے کہ ہر روح مچل رہی ہے۔

❁❁❁❁❁

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

فِيۡهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ ۙ لَمۡ يَطۡمِثۡهُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَهُمۡ وَلَا جَآنٌّ ۚ ﴿۵۶﴾

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ ﴿۵۷﴾

كَاَنَّهُنَّ الۡيَاقُوۡتُ وَالۡمَرۡجَانُ ۚ ﴿۵۸﴾

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾

هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ ۚ ﴿۶۰﴾

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾

(۵۶) ان جنتوں میں نگاہیں بچا بچا کر رکھنے والی حوریں ہوں گی جن کو اس سے پہلے کسی انسان نے اور نہ ہی کسی جن نے چھوا ہوگا

(۵۷) تو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت جھٹلاؤ گے

(۵۸) وہ یاقوت اور مرجان کی مانند ہوں گی

(۵۹) تو تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے

(۶۰) کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے

(۶۱) تو تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے

فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾

''ان جنتوں میں نگاہیں بچا بچا کر رکھنے والی حوریں ہوں گی جن کو اس سے پہلے کسی انسان نے اور نہ ہی کسی جن نے چھوا ہو گا، تو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت جھٹلاؤ گے''۔

کلام فصاحت میں مفہوم کی اکیسویں شعاع

بات ہو رہی تھی کہ اہل خیر کو اللہ تعالیٰ جنت میں جو نعمتیں نصیب فرمائے گا ربّ کریم کے مقام عزت کا خوف انہیں دو دو جنتوں کے جلووں سے بہرہ مند کرے گا۔ تثنیہ کا صیغہ لذتِ مفہوم کے دوہرے حسن کی نعمتوں سے روشنی عطا کر رہا تھا دفعتاً اسلوب تثنیہ سے جمع کی طرف عدول کر گیا۔ فرا کے قول پر تو تفسیر سہل ہو جاتی ہے (87) کہ اللہ تعالیٰ ہر عمل پر دو دو جنتیں عطا فرمائے گا، اس طرح ملنے والے باغ متعدد ہو جائیں گے۔ اب ''فِيْهِنَّ'' کا معنیٰ سہل الفہم ہو جاتا ہے اگر یہ نہ بھی ہو تو مفسرین نے لکھا کہ جنت میں ایک ایک شخص کو متعدد محلات ودیعت ہوں گے۔ جمع کا صیغہ ان سب کی طرف لذّت آمیز اشارہ کر رہا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ضمیر زمینی بچھونوں کی طرف راجع ہے۔ ابوحیان اندلسی نے اسی کو درست قرار دیا ہے (88)۔

''قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ'' کا معنیٰ ابنِ کثیر نے لکھا کہ ایسی عورتیں جو اپنے شوہر کے سوا کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھیں (89)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جنتی حورانِ پاک اپنے شوہروں کے سوا کسی کو نہ دیکھیں گی بلکہ وہ اپنے شوہروں سے کہیں گی کہ پاک پروردگار کے جلال اور عزت کی قسم کوئی شئ بھی ہمیں آپ کے وجود سے بڑھ کر عزیز نہیں، اللہ کا شکر کہ اس نے ہمیں آپ کی زوجیت کا شرف عطا کیا (90)۔

جنات کے دخولِ جنت کے بارے میں مفسرین کے تین اقوال ہیں (91):

☆ پہلا قول اطاعت پر جنت میں داخل ہونے کا ہے اور جنت کی نعمتوں سے فیض یاب ہونے کا ہے۔

☆ دوسرا قول عدم دخول کا ہے لیکن اعراف میں ان کے رہنے کا قول کیا گیا ہے۔

☆ اور تیسرا قول بس آگ سے نجات کا ہے لیکن جنت میں عدم دخول کا ہے۔

قرآن مجید کی آیات طاعات پر ان کے جنت میں داخل ہونے کی مویّد ہیں البتہ چھونے سے مراد

مفردات

فِيْهِنَّ: ان میں
قٰصِرٰتُ: نیچی
الطَّرْفِ: نگاہ والی ہوں گی
لَمْ يَطْمِثْهُنَّ: نہیں چھوا ان کو
اِنْسٌ: انسان
قَبْلَهُمْ: ان سے پہلے
وَلَا جَآنٌّ: اور نہ جنّ نے
فَبِاَيِّ: تو کون سی
اٰلَآءِ: نعمت
رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی
تُكَذِّبٰنِ: تم دونوں گروہ جھٹلاؤ گے

یہ ہے کہ جنت میں جنتیوں کو حوریں ملیں گی یا عورتیں سب باکرہ اور کنواری ہوں گی۔ آیت کا مستدل ہرگز یہ نہیں کہ دنیا میں جن مرد انسان عورتوں کو چھوتے ہیں یا ان سے جماع کرتے ہیں، عدم مقاربت جنس کی تمام صورتیں محل نظر ہوں گی، ہاں چھونے سے مراد یہ ہے کہ جنتی حوریں یا انسان عورتیں ایسی ہوں گی کہ انہیں انسان مردوں نے چھوا نہیں ہوگا اور جنّ عورتیں ایسی ہوں گی کہ انہیں جنّ مردوں نے چھوا نہ ہوگا (92)۔

❁❁❁❁❁

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾

''وہ یاقوت اور مرجان کی مانند ہوں گی، تو تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

جمالیاتی تعبیر کا ملکوتی حسن

لباسوں کی بائیسویں شعاع

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (93):

''جنت کے جمالیاتی ماحول میں ہر جنتی کی دو بیویاں یہ حسن رکھیں گی کہ دونوں یاقوت اور مرجان کی مثل ہوں گی، ایسے جیسے ستّر ستّر حلّے پہن رکھے ہوں اور باطن سے حسن پُرکشش کا جلوہ باہر نمودار ہو رہا ہو اور پنڈلیوں کا گودا بھی صاف شفاف نظر آ رہا ہو''۔

مسند امام احمد بن حنبل میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں (94):

''خدا کی راہ میں صبح اور اس کی راہ میں شام، دنیا اور جو کچھ بھی اس میں ہے سب سے بہتر ہے۔ جنت میں ملنے والی جگہ ایک کمان یا ایک کوڑے کے برابر بھی ہو تو وہ ساری دنیا اور اس کی ہر چیز سے افضل ہے۔ اگر جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت دنیا میں جھانک لے تو زمین و آسمان اُس کے نور سے جگمگا جائیں اور خوشبو سے تمام عالم مہک اٹھے ان کی ہلکی سی دوپٹیا بھی دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے گراں ہے''۔

مفردات

كَاَنَّهُنَّ: گویا کہ وہ
الْيَاقُوْتُ: یاقوت
وَالْمَرْجَانُ: اور مرجان
فَبِاَيِّ: تو کون کون سی
اٰلَآءِ: نعمت
رَبِّكُمَا: اپنے رب کی
تُكَذِّبٰنِ: تم جھٹلاؤ گے

ترمذی کی یہ حدیث دل کش اور ایمان آفرین ہے(95):

''جو ڈرے گا وہ رات ہی کو کوچ کرے گا اور ایسا شخص جو ظلمتِ شب ہی میں نکل پڑا وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔ خبردار! خدا کا سودا بڑا قیمتی ہے۔ یاد رکھو! وہ سودا جنت ہے''۔

جنت کی حوریں دلکشی، جاذبیت اور عروسیت میں یاقوت اور مرجان کی طرح ہوں گی۔ مرجان کی تعبیر تو پہلے گزر گئی یاقوت پر بصر نوازی فرمائیں۔ یاقوت کی شفافیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اس میں دھاگہ ڈال دیا جائے تو وہ باہر سے صاف نظر آنے لگ جاتا ہے۔ وہ جن کا حسن ستر حلّوں میں بھی مستور نہ ہو یاقوت نظر ہی تو ہوں گی، یہ پیدا ہونے کے بعد جامد پتھر کی طرح ہو جاتا ہے۔ عام طور پر اس کے پانچ رنگ ہوتے ہیں۔ سرخ، سفید، زرد، سبز اور نیلا اس میں دہنیّت کی کمی کی وجہ سے سوراخ کرنا مشکل ہوتا ہے اس پر آگ اثر نہیں کرتی جتنی جتنی اس میں صلابت آتی ہے اس کے حسن میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے یاقوت کی سب سے اعلیٰ قسم سرخ رنگ میں آتی ہے۔ اس پتھر کے حامل پر آسمانی بجلی نہیں پڑتی اس کا کشتہ قوت میں اضافہ کرتا ہے۔ قیمتی ہونے کی وجہ سے اس کے حاملین عزت مند سمجھے جاتے ہیں(96)۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾

''کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے، تو تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

معنوی حسن و جمال کی تیئسویں شعاع

آیت میں سب سے پہلے لفظ ''هَلْ'' پر بحث کی جاتی ہے(97):

(1) ''هَلْ' قد'' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے ''هل اتیٰ'' میں یہ لایا گیا ہے۔

(2) یہ ''الامر'' کے معنوں میں لایا جاتا ہے جیسے کہا گیا'' فَهَلْ انتم منتهون'' یعنی تم رک جاؤ۔

(3) تیسرا یہ استفہام کے لئے استعمال ہوتا ہے ''فهل وجدتم ما وعد ربكم حقا'' ''کیا تم نے اسے حق پایا جو تمہارے ربّ نے تمہارے ساتھ کیا''۔

(4) چوتھا یہ انکار کے لئے ہوتا ہے جیسے اسی آیت میں کہا گیا احسان کی جزا نہیں مگر ثواب

مفردات

هَلْ: کیا ہے؟
جَزَآءُ: بدلہ
الْاِحْسَانِ: احسان، نیکی، سخاوت اور مرجع حسن
اِلَّا: مگر، سوا
الْاِحْسَانُ: نیکی
فَبِاَیِّ: تو کون کون سی
اٰلَآءِ: نعمت
رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی
تُكَذِّبٰنِ: تم جھٹلاؤ گے

میں احسان ہی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے(98):

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور استفسار فرمایا:

''تم جانتے ہو کہ تمہارے ربّ نے کیا فرمایا''؟

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں ہم نے عرض کی

''اللہ و رسولہ اعلم'' اللہ اور اس کا رسول جانتے ہیں۔

فرمایا:

''اللہ فرماتا ہے کہ جسے میں معرفت اور توحید پر ایمان سے نوازوں اُسے صلہ اور بدلہ یہ ملے گا کہ میں اُسے اپنی رحمت اور فضل سے اپنی جنت اور خطیرۂ قُدس میں ٹھہراؤں گا''۔

تفسیر حسینی میں ہے(99):

''نیکی کی جزا احسان ہے، طاعات کی جزا بلند درجے ہیں۔اس شکر کا صلہ نعمات زائدہ ہیں اور فرحت اور سرور ہے، توبہ کا بدلہ توبہ کی قبولیت ہے، دعائیں استجابت کی منزل پائیں گی۔ استغفار کے عوض مغفرت کا انعام ہوگا اور سائلین نوازے جائیں گے اور آخرت میں لقا باللہ کا انعام عطا ہوگا''۔

قطب العارفین والصالحین حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں(100):

''قرآن حکیم میں ایک آیت ہے جس میں عموم کی معنوی معراج پائی جاتی ہے۔سامع بے تاب نے عرض کی ''وہ کون سی آیت ہے؟'' آپ نے سورۃ الرحمن کی یہی آیت پڑھی اور فرمایا: یہ کائناتی حقیقت مومن غیر مومن اور نیک اور بدسب کے بارے میں ہے یعنی تم سے جو نیکی کرے اس کی جزا اُس کے ساتھ نیکی کرنا ہے اور نیکی یہ نہیں ہے کہ کی جانے والی نیکی کی مقدار میں نیکی کی جائے بلکہ نیکی کا صلہ زیادہ نیکیوں کی صورت میں ہونا چاہئے''۔

راغب اصفہانی کا قول خوبصورت ہے(101):

''احسان ایک ایسی شئی ہے جو انصاف سے بہتر ہے کیونکہ انصاف یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر واجب ہونے والا وظیفہ ادا کردے اور اُس کا جو دوسرے پر حق ہے وہ لے لے لیکن احسان یہ ہے کہ انسان ذمہ سے زیادہ ادا کرے اور اپنے حق سے کم لے۔ پرودگار عالم مالک بھی ہے اور معطّی بھی، جب وہ اپنے حق سے زیادہ دے گا تو نعمت ہے کے مفہوم میں بذات خود ایک جنت سموئی محسوس ہوگی۔اس پر کہا گیا تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کی تکذیب کروگے''۔سبحان اللہ

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

دل میں سمالیں

انسانی وجود مٹّی کا پتلا ہے اور احسان پانی کی طرح ہے مٹّی پر پانی پڑنے سے مردہ مٹی میں حیات آجاتی ہے۔اللہ انسانوں کو احسان سے روحانی زندگی عطا فرمادیتا ہے۔مزیدار بات یہ ہے کہ جنتی عورتوں کا ذکر قرآن حکیم نے کیا اور انہیں موتی اور مونگا نظر قرار دے کر اسے احسان کی تعبیر سے نوازا گیا۔اگر سوچا جائے تو عائلی زندگی دنیا میں بھی جنت کا مزا پاسکتی ہے لیکن یہ رحمت صرف ان لوگوں کو نصیب ہوسکتی ہے جو اپنی بیویوں کو موتی اور مونگا تصور کرتے ہیں اور ان کے ساتھ رہتے ہوئے گھروں کو حسن المآب بنا لیتے ہیں، جیسے موتیوں کی صفتیں ہوتی ہیں، وہ صاف ہوتے ہیں، شفاف ہوتے ہیں، چمکدار ہوتے ہیں، محفوظ ہوتے ہیں اور ثمین ہونے کا اعزاز رکھتے ہیں اور ان میں ایک فطری احساس ودیعت ہوتا ہے کہ وہ سیپی کے منہ میں موتی ہونے کی تاریخ جانتے ہیں۔یونہی مٹیالے اور مٹیارے انسان کو یہ خبر رکھنی چاہئے کہ ابر نیساں کا ایک قطرہ سیپی کے منہ میں موتی پیدا کرسکتا ہے۔اچھا خاوند بھی احساس، ذمہ اور طہارت نفسی کے چند آبی قطروں سے موتی نہیں ''اشرف المخلوق'' کی تاریخ کو جگمگا سکتا ہے۔ایک خاوند کو اپنی تاریخ یاد رکھنی چاہئے کہ قرآن نے اُسے عورتوں پر قوّام قرار دیا ہے، قوام کا معنٰی ڈنڈا بردار چوکیدار نہیں ہوتا نگہبان ہونا ہوتا ہے جو اپنی خون پسینے کی کمائی سے ایک نسل کی نگہبانی کرسکتا ہے۔سورۃ الرحمٰن پڑھ کر شرابِ تلطّف مزوں کو دوآتشہ کردیتی ہے کہ جنتی حوروں کا انتساب احسان کے آسمان کو چھوکر مردوں کی دنیا کو رونق بخش دیتا ہے لیکن لہجے کا یہ بہار بداماں رنگ عورت کے لئے نہیں ہے یہ تقسیم کی بے اعتدالی نہیں بلکہ فطرت کا فہم حسن ہے اس لئے کہ عورت ہرجائی نہیں ہوتی اور مرد ''مظلوم تاریخ'' ہرجائی ہونے کا

اعزاز رکھتا ہے۔

جنت تو فطرت اور طبیعت کے مطابق حصولِ لذت کا نام ہے۔عورت اپنی طبعی آرزوؤں ہی کو حاصل کر سکے گی اور مرد اپنی شہنشاہیوں کی طبعی ضرورتیں اور لذتیں پا سکے گا۔خیال ہے جنت میں مسخِ فطرت کے بعد دخول نہیں ہوگا۔احساس فطرت کا صلہ دو دو جنتیں ملیں گی۔ ویسے بھی عورت اپنا پہنا ہوا لباس کسی کو تحفہ دینے میں بخیل ہونے کی کہانی رکھتی ہے،اُس کا طبعی حیا اپنے مقام کا مخول کبھی نہیں کرتا لیکن مرد بے چارہ اس معاملے میں کمزور واقع ہوا ہے اس لئے جنت میں آرزوؤں کی تکمیل ہوگی۔کئی سوسو سے بھی لذت نہیں پا سکتے اور کئی ایک پر قناعت کے عرش معلیٰ تک رسائی پا لیتے ہیں۔اصل بات یہ ہے کہ ہر ایک کے حسنِ آرزو کی تشنگی تکمیلِ احسان کے صلے کے ساتھ نوازدی جائے گی۔

احسان کی جزا احسان ہے۔حسن تراشنے والے حسن ہی کی منزل پا لیتے ہیں اور حسن بگاڑنے والے احسان کی دنیا فنا کرنے کے جرم میں دوزخ تک جا پہنچتے ہیں۔واللہ اعلم۔

اللہ ہم سب کو جنت نصیب فرمائے اور سورۃ الرحمن کے فیض میں میرا بھی ایک موتی تھا جو میرے گھر کی سیپی میں پلا اُسے بھی جنت میں یہ رحمتیں نصیب فرما کر میرا ہم رفاقت فرمادے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

ایک نفیس کہانی

ایک مسلمان نے ایک کافر بڑھیا کو دیکھا جو سردی کے موسم میں پرندوں کے لئے دانے ان کے سامنے ڈال کر خوش ہو رہی تھی۔حج پر جانے والے مسلمانوں کا ایک قافلہ وہاں سے گزرا تو انہوں نے بڑھیا سے کہا:''تجھ جیسی منکر عورت کا یہ عمل بارگاہِ الٰہی میں قبولیت نہیں رکھتا کہ تیرا سینہ ایمان سے خالی ہے''۔بڑھیا نے عزم مصمّم کا اظہار کیا اور کہا: مجھے اس کی پروا نہیں کہ قبول ہوگا میرا یہ عمل یا نہ قبول ہو گا۔بات آئی گئی ہوگئی لیکن ایک مدت بعد مسلمانوں نے اسی بڑھیا کو حرمِ کعبہ میں دیکھا اور کہا:تم یہاں کیسے؟ اے بڑھیا!وہ بولی پرندوں کے لئے مٹھی بھر دانے ڈالنے کی برکت سے اللہ نے مجھے نعمتِ اسلام سے نواز دیا۔

پردے نگاہوں سے ہٹتے ہیں

اپنے ماضی کا ایک ایسا حصّہ ہے کہ جب سوچنے لگتا ہوں تو یادوں کے دریچوں میں چاندنی اترنے لگ جاتی ہے۔نگاہوں سے پردے ہٹ جاتے ہیں اور مناظر جن میں وقت گزرتا رہا سرسبز درختوں کی خوبصورت ٹہنیوں سے ہزار چاند ابھرتے محسوس ہونے لگ جاتے ہیں۔دریائے کنہار کے کنارے ایک صبح کی نماز نصیب ہوئی۔دریائی بڑے پتھر کے اوپر اپنے پیرومرشد کے حکم پر نماز کی امامت نصیب ہوئی۔نماز میں سورۃ الرحمٰن تلاوت کی،آیت زیرِ تفسیر پر پہنچا تو نسیان ذہن گیر ہوگیا۔قبلہ لالہ جی قدس سرہ العزیز نے لقمہ

دیا، نماز تو اللہ نے نصیب فرمائی، سلام پھیرا تو ایک اجنبی مقتدی بھی ساتھ کھڑا پایا بقول پروین شاکر:

کھوئی کھوئی آنکھیں
بکھرے بکھرے بال
شکن آلود قبا
اور کوئی سائے کی طرح میرے ساتھ!!!

وہ شخص غور سے مجھے دیکھے جا رہا تھا اور لالہ جی صاحب نے میری حالت کا خوف محسوس کر لیا اور استفسار فرمایا: جس آیت پر بھولے تھے اس کا درس دو۔ معروضات میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آیت میں ''احسان'' کو دو بار ذکر کیا گیا۔ پہلے احسان کی نسبت بندے کی طرف ہے اور دوسرے احسان کا انتساب اللہ کی طرف ہے یعنی بندہ نیکی کرتا ہے اور اللہ احسان ہی کی صورت میں اُسے جزا دیتا ہے۔ آپ نے حسب حال ذکر کرنے کی طرف اشارہ کیا اور ہم تینوں کچھ وقت کے لئے اللہ اللہ کرنے میں ڈوب گئے۔ کنہار کی مترنم لہروں کا خروش سماع کی لطافت کے ساتھ دلوں میں رس گھول رہا تھا دفعتہً لالہ جی صاحب نے دعا فرما دی اور بات جہاں ختم ہوئی تھی وہیں سے شروع فرما دی اور نور آفریں باتیں فرمانے لگے:

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

فرمایا: شاہ جی!

آیت میں دونوں جگہ احسان کا انتساب اللہ ہی کی طرف ممکن ہے؟ میں نے عرض کی: روشنی کی بھوک تھوڑی زیادہ ہو کر تڑپنے لگ گئی ہے، وضاحت وجہ اطمینان ہو سکتی ہے۔ آپ نے صرف اتنا فرمایا: ''شاہ جی! اللہ اگر بندے کو توفیق ہی نہ دے تو طلب کیسے پیدا ہو اور عمل کیسے پیدا ہو؟ بندگی بھی اسی کا احسان ہوتا ہے اور صلہ اور جزا بھی اسی کا احسان ہوتا ہے، کبھی یہ احسان اور کبھی وہ احسان دونوں پر اللہ کا شکر بندگی کی معراج یہی ہے''۔

❁❁❁❁❁

وَمِنۡ دُوۡنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ ۚ
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ ۙ
مُدۡهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ ۚ
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ ۚ
فِیۡهِمَا عَیۡنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ ۚ
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾

(۶۲) اوران دونوں کے علاوہ دواور جنتیں ہوں گی
(۶۳) توتم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے
(۶۴) دونوں سرسبز وشاداب مسرتوں کے صدساماں لئے
(۶۵) توتم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے
(۶۶) ان دونوں باغوں میں دوابلتے چشمے
(۶۷) توتم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے

مفردات

وَمِنْ: اور سے
دُوْنِهِمَا: ان دونوں کے علاوہ
جَنَّتٰنِ: دو باغ
فَبِاَيِّ: تو کون سی
اٰلَآءِ: نعمت
رَبِّكُمَا: اپنے رب کی
تُكَذِّبٰنِ: تم جھٹلاؤ گے

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿٦٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٣﴾

''اور ان دونوں کے علاوہ دو اور جنتیں ہوں گی، تو تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

نعمتوں کا بیان اور چوبیسویں شعاع

بدیوں کے صحرا میں جو زندگی بسر کرے اس کے لئے جنتوں کا پیغام ایک بڑا معنیٰ رکھتا ہے۔ یہ جملہ کہ ان دو کے علاوہ دو جنتیں اور بھی ہیں ایک سبک ساحل کی اطمینان بخش لذت کا پتہ دیتا ہے۔ عشق الٰہیہ کی لگن میں مشغول روحیں جیسے بادِ اطمینان کا تازہ جھونکا ان کو چھو گیا ہو۔ پھولوں کی نازک پتیاں نرم اور گداز ہاتھ بن کر گلے ملنے لگ جاتی ہیں۔ بیان میں تجدد لذتوں اور مراسمِ عطا میں تجدد کا معنیٰ دے رہا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے عطا خود جذب کی ادا بن گئی ہو اور کہہ رہی ہو لے جنت لے لے، ایک نہیں دو دو لے لے، دو ہی نہیں دو اور لے لے اور یہ معنیٰ بھی ممکن ہے درست ہو کہ ''دُوں'' کا معنیٰ پست ہوتا ہے یعنی پہلی دو جنتیں تو اعلیٰ درجہ اور مرتبہ کی ہوں گی ان کے علاوہ ان سے ذرا پست درجہ پر دو جنتیں اور بھی ہوں گی جن میں پست خواہشات کے مجنوں ملنگ ذرا کم مرتبہ چیزوں کی آرزو کر دیں گے تو یہاں وہ بھی انہیں مل سکیں گی۔

ایک لطیفہ مشہور ہے کہ کسی پٹھان نے کہا تھا کہ جنت میں نسوار ملے گی، سوچتا ہوں دو باغوں کو ذرا پست کہنا کیا حکمت رکھتا ہے؟ شاید گرم ٹھنڈے مشروبات، پتلے موٹے ملبوسات اور چائے قہوہ ایسی آرزوئیں بھی باریابی کے لئے موجود ہوں۔ ظاہر ہے یہ جنتیں پہلی جنتوں سے ذرا کم مرتبہ میں ہوں گی اس لئے کہا کہ پہلی جنتوں سے کچھ پست لیکن نفیس دو باغ اور بھی ہوں گے۔ ایک حدیث شریف میں ہے دو باغ اور ہیں جن میں سے ایک میں برتن چاندی کے ہوں گے اور دوسری میں ظروف اور اشیاء سونے کے ہوں گے۔ یہ کہنے کے بعد کہ تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے۔ اللہ تعالیٰ نے جنتوں کی مزید خصوصیات بیان کرنا شروع کر دیں۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

مُدْهَآمَّتٰنِ: دونوں سرسبز و شاداب
مَّتٰنِ: مسرتوں کے صد ساماں لئے
فَبِاَيِّ: تو کون سی
اٰلَآءِ: نعمت
رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی
تُكَذِّبٰنِ: تم جھٹلاؤ گے

مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٥﴾

''دونوں سرسبز و شاداب مسرتوں کے صد ساماں لئے، تو تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

پچیسویں شُعاع

''الدهمه'' کا لغوی معنیٰ سیاہ اور کالا رنگ ہوتا ہے۔ ''ادهام الشئی'' کوئی چیز سیاہ ہو گی۔

"ادھام الزرع" کا مفہوم ہوتا ہے سیرابی کی وجہ سے کھیتی سیاہی مائل دکھائی دینے لگ گئی۔ "حدیقه دھماء" سرسبز باغ کو کہتے ہیں۔عربوں کے ہاں گہرے رنگ کی سبزی کو "دُھمه" کہتے ہیں کیونکہ وہ سیاہی مائل دکھائی دیتی ہے اور سبزی سبز رنگت ہی میں دکھائی دے تو اُسے "حُضره" کہتے ہیں (102)۔ایسی زندگی جس میں تازگی،شادابی اور شگفتگی اپنی انتہا کو پہنچ جائے وہ "دھمه" ہوتی ہے۔ سید امیر لکھتے ہیں (103) کہ رنگوں میں پہلی حالت سفید رنگ کی ہوتی ہے اور آخری حالت کالے رنگ میں کیف پیدا کرتی ہے۔سفید رنگ ہر رنگ کو قبول کر لیتا ہے لیکن رنگ اپنے طبعی عدول کے بعد کالے ہو جائیں تو پھر وہ کسی اور رنگ کو قبول نہیں کرتے۔اہل بیت اطہار کے سیاہ عمامے جناب رسالت سے گہری وابستگی کی دلیل ہیں اور اس طرف اشارہ بھی کہ ہمیں کسی اور کا رنگ نہیں چاہئے۔ سفید رنگ سادہ ہونے اور سلوک کی پہلی منزلوں پر دلالت کرتا ہے۔زرد رنگ عشق کی علامت ہوتا ہے جیسے لکڑی آگ میں جلتی ہے سالک عشق الٰہی کی آتشِ سوزاں میں خود کو سوختہ کر لیتا ہے اور سیاہ رنگ کہتا ہے اب میں محبوب کی گلی کی خاکستر ہو چکا ہوں اب میں نے کدھر جانا ہے۔

تعبیر کا حسن

آیت میں دو باغوں کی گہری تر و تازگی،شادابی اور سبزی کی طرف اشارہ ہے اور اس سے معنوی حسن کی یہ کیفیت لذت پیدا کرتی ہے کہ باغوں میں گھنیرا پن بھی ہوگا اور یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ جنت دائمی ہوگی اسے کبھی خزاں لاحق نہیں ہوگی۔رنگوں کی جو نفسیات رقم ہوئی وہ رازی اور خطیب نے بھی لکھی ہے (104)۔واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾

"ان دونوں باغوں میں دو اُبلتے چشمے،تو تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے"۔

جنتی نعمتوں کی چھبّیسویں شعاع

ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں (105):

> "قرب خداوندی کی خوشبوؤں کے امین دو باغوں میں دو چشمے ہوں گے۔قرآن مجید کی یہ آیت ان چشموں کے حسن افروز منظر کو خوبصورت موتیوں کی طرح شفاف بنا کر پیش کرتی ہے۔"النضخ" عربی زبان کا یہ خوبصورت لفظ اپنے اندر جوش سموئے ہوئے ہے۔چشمے کا پانی جب

مفردات

فِيْهِمَا: ان دونوں میں
عَيْنٰنِ: دو چشمے
نَضَّاخَتٰنِ: اچھلتے،کودتے،ابلتے، چھلکتے اور جوش مارتے
فَبِاَيِّ: تو کون سی
اٰلَآءِ: نعمت
رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی
تُكَذِّبٰنِ: تم جھٹلاؤ گے

تیزی سے اُچھل اُچھل کر رواں ہو اور پھر آبشار کی طرح
بلند ہو کر نیچے گرے اور اس کا پانی قطرہ در قطرہ موتیوں کی
طرح برستا محسوس ہو، وہ ''نضخ'' کہلاتا ہے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے(106):

''جنت کے یہ دو چشمے خوبصورت منظر پیش کر رہے ہوں
گے ۔ ان دونوں سے مشک اور عنبر کی بارش ہوتی
محسوس ہو گی ایسے جیسے دنیا میں ہلکی دھیمی بارانِ رحمت
برس رہی ہو''۔

قرآن مجید نے ''رجولیت'' کے حسن کی تصویر کشی کرتے ہوئے حوالۂ یوسف قائم کیا جہاں متعدد آتشیں بدن دوشیزائیں ہاتھوں کی انگلیاں کاٹ بیٹھیں اور ایک شاہی محل میں ایک نازک بدن ملکہ فرش آب رنگ میں کھو کر پنڈلی ننگی کر بیٹھی تو عشق کی آگ بھڑک گئی۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جنت کے پہلے دو باغوں میں دو چشمے رواں ہوں گے، وہاں بلوریں بدن حوریں اپنی شفاف پنڈلیاں نہروں میں ڈالے برتلاش کر رہی ہوں گی۔ وہ خود بھی موتی اور مونگے کی طرح بجلیاں اُگل رہی ہوں گی اور سامنے کئی خدا کی محبت میں کوزہ پشت شفاف پانیوں میں مہ جبیں جوڑوں کا حسن مشاہدہ کر رہے ہوں گے اور درختوں کی من موج شاخیں رواں چشمے کے زبرجدی ماحول میں اٹھکیلیاں کر رہی ہوں گی۔ پہلی ندیوں میں پُرسکون اور رواں پانی میں اہل جنت جوش سے اُبل رہے ہوں گے اور پچھلے دو باغوں میں چشمے اُچھل رہے ہوں گے اور آبی حسن جوش مار رہا ہوگا۔ جنت تو پھر جنت ہی ہو گی **سبحان اللہ سبحان اللہ واللہ و رسولہ اعلم بحقیقۃ الحال و المآل**۔

یا اللہ اپنے ذکر کی جنت دوام کے ساتھ عطا فرما۔

پانی کی فطرت اور طبیعت سے آگاہ لوگ جانتے ہیں:

''بہنے والا پانی جاذب روح ہو اور پُرثمر درختوں کے
رنگ اس کی شفافیت میں منعکس ہو رہے ہوں اور چاند کی
سی دھیمی روشنی اس دل افروز ماحول میں شمع محبت جلائے
ہو تو انسانی فطرت ہے پانی پینے کا بھی دل کرتا ہے اور
ایسے رواں پانی میں تیرنا، نہانا اور محظوظ ہونا انسانی
فطرت ہے اور پھر حسین جوڑے بھی ہم رکاب ہوں اور

خوشبوئیں بھی عطا کا خلود لئے برس رہی ہوں تو یہ جنت ہی ہوسکتی ہے اور یہ بھی دیکھا گیا ہے آبشار گر رہی ہو اور چشموں کا پانی ابل رہا ہو تو فوارے کے نیچے نہانا اور پانی چُلّوؤں میں ڈال کر کبھی نہانا اور کبھی ساتھی میسر ہو تو پانی ایک دوسرے پر اچھالنا، پھر پانی بھی اپنی تاریخ کے برعکس متعدد ذائقوں والے مشروبات کے ذائقہ سے لبریز ہونا، چشموں کے رواں ہونے کا مزا دینا لیکن جوبن اور شباب بن کر اچھلنا، کودنا اور چھلکنا، صحیح بات ہے یہ جنت ہی ہوسکتی ہے''۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

فِيۡهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخۡلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ ج
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ ج
فِيۡهِنَّ خَيۡرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ ج
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ ج
حُوۡرٌ مَّقۡصُوۡرٰتٌ فِى الۡخِيَامِ ﴿۷۲﴾ ج
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾

(۶۸) اوران میں طرح طرح کے پھل اور کھجوریں اورانار موجود ہوں گے
(۶۹) توتم دونوں اپنے ربّ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے
(۷۰) اوران میں خوش خصال اور خوش جمال عورتیں ہوں گی
(۷۱) توتم دونوں جنواورانسانوا پنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے
(۷۲) گوری گوری حوریں اپنے خیموں میں پردہ نشین ہوں گی
(۷۳) توتم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کی تکذیب کروگے

فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٩﴾

''اوران میں طرح طرح کے پھل اور کھجوریں اورانار موجود ہوں گے،توتم دونوں اپنے ربّ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

مظاہر ربوبیت کی ستائیسویں شعاع

چشموں اوران کی روانی بیان کرنے کے بعد جنتی پھلوں کے ذائقوں، رنگوں اوراقسام پر اصحابِ جنت کی توجہ مرکوز کی جارہی ہے۔''فَاكِهَةٌ''میں اس سے پہلے کہا گیا تھا کہ باغات بہشت میں پھلوں کی نوعانوعی ہوگی اور یہاں اشارہ کیا جارہا ہے کہ ہر پھل اور میوہ کثرت کے ساتھ میسر ہوگا۔''فَاكِهَةٌ'' لفظ اپنے اندر یہ معنویت بھی سموئے ہوئے ہے کہ پھل بھی وہاں ایسے ویسے نہیں ہوں گے طبیعت کو شاداب اورتازہ رکھنے والے ہوں گے۔

اطباء لکھتے ہیں کہ انسان پھل کھانے والی مخلوق ہے اس لئے جنت میں اسے پھلوں ہی کی صورت میں غذا ملے گی۔ابن کثیر کی روایت کردہ ایک حدیث کے مطابق جنتی جوبھی کھائیں گے وہ فضلات سے محفوظ ہوں گے۔ہر کھائی ہوئی چیز پسینہ بن کر بدن سے نکل جائے گی اور پسینوں میں بھی خوشبو ہو گی (107)۔

آیت میں''فَاكِهَةٌ'' کے بعد کھجوروں کے درخت اورانار مذکور ہوئے''فَاكِهَةٌ'' پران دونوں کا عطف بیانِ فضیلت کے لئے ہے۔

ابنِ عساکر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(108):

''میں نے جنت میں شجرِ خرما دیکھا۔اس کا تنا سبز زمرد کا تھا اور پتے سونے کے تھے۔اس کے چھلکے سے اہل جنت کی پوشاک تیار ہوگی۔پھل مٹکے کی طرح ہوں گے اوررنگ دودھ سے زیادہ صاف ہوگا۔ذائقہ شہد سے بھی زیادہ میٹھا اور مکھن سے زیادہ نرم ہوگا۔مزے کی بات اس میں گٹھلی نہیں ہوگی''۔

آیت میں''نَخْلٌ'' کھجور کے درخت کے لئے لایا گیا ہے۔کھجور کا پھل مذکور نہ ہوا۔شاید حکمت یہ ہے کہ کھجور خود ہی مفید نہیں ہوتی اس کے درخت کی ہر شئی منفعت بخش ہوتی ہے۔کھجور کے پتوں سے مختلف قسم کے سامان تیار کئے جاتے ہیں۔چٹائیاں بنائی جاتی ہیں،ٹوپیاں بھی اس سے تیار کر کے

مفردات

فِيْهِمَا: ان دونوں میں
فَاكِهَةٌ: پھلوں کا کثرت میں ہونا
وَّنَخْلٌ: اور کھجور
وَّرُمَّانٌ: اورانار کے درخت
فَبِاَيِّ: توکون کون سی
اٰلَآءِ: نعمت
رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی
تُكَذِّبٰنِ: تم جھٹلاؤ گے

زیر استعمال لائی جاتی ہیں، حمل ونقل کے ذرائع بھی اس درخت سے حاصل کئے جاتے ہیں، آرام کے لئے اس کے پتوں سے چارپائیاں تیار کر لی جاتی ہیں، اس کے چھلکے ادویات میں استعمال ہوتے ہیں۔ نالوں، پرنالوں پر چھوٹے پل بھی اس کے شہتیروں اور پتوں سے بنالئے جاتے ہیں۔ کھجور کے اندر تیرہ سے زیادہ حیاتیاتی مادے موجود ہوتے ہیں اور پانچ قسم کے وٹامنز پائے جاتے ہیں۔

انار کو ''سید الفاکھہ'' کہا جاتا ہے۔ وہ لوگ جو غذا شناسی کا ماہر ہونے کا اعزاز رکھتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ کھجور کی طرح انار بھی خون کو صاف رکھنے کا فائدہ دیتا ہے۔ انار کے بارے میں کتابوں کے اندر یہ صراحت ملتی ہے(109):

(1) انار معدہ کو تقویت دیتا ہے۔

(2) وہ لوگ جو پرانے زخموں سے بے حال ہوں انہیں انار کھانا چاہئے جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔

(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ انار کی مادہ اس وقت تک پھل نہیں لاتی جب تک اس میں بہشت سے کوئی دانہ نہ آجائے۔

(4) حضرت امام رضا رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ انار کھاتے ہوئے اس کی تھوڑی سی شحم بھی کھا لینی چاہئے اس لئے کہ یہ معدہ کی دبّاغ ہے۔

(5) اسماعیل حقی لکھتے ہیں: انار کا ہر دانہ دل میں نور پیدا کرتا ہے۔

(6) انار سے یرقان اور صفرا کا بخار دور ہو جاتا ہے۔

(7) انار کے زیادہ کھانے سے خارش کی بیماری دور ہو جاتی ہے۔

(8) انار نظر کو تقویت دیتا ہے۔

(9) مسوڑھوں کے لئے قوت بخش ہے۔

(10) یہ اسہال کو ختم کرتا ہے۔

(11) یہ حلق کو نرم کرتا ہے۔

(12) اس سے خفقان کی بیماری دور ہوتی ہے۔

(13) انار قوت باہ کو بڑھاتا ہے۔

(14) اس کے چھلکے سے ایذا رساں کیڑے بھاگ جاتے ہیں۔

(15) دماغ میں تازگی آتی ہے۔

(16) گھروں میں انار رکھنے سے برکت آتی ہے۔

(17) لیموں اور انار پانی میں نچوڑ کر پینے سے جنات بھاگتے ہیں اور روحانی آسودگی پیدا ہوتی ہے۔

(18) انار کھانے سے رات میں عبادت کرنے میں مدد ملتی ہے۔

(19) انار کا ہر دانہ شیطانی وسواس کو چالیس دن تک سینہ سے دور رکھتا ہے۔

(20) حدیث ہے جو انار کھائے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو چالیس دن تک منور رکھتا ہے۔

(21) انار کھانے سے دل اور ذہن قوت پکڑتے ہیں۔

(22) انار کے استعمال سے چہرے شگفتہ اور تازے رہتے ہیں۔

(23) بڑا اور میٹھا انار جسے ''بی دانہ'' کہتے ہیں عام انار سے زیادہ مفید ہوتا ہے۔

(24) حضرت جعفر صادق پاک رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ''اپنے بچوں کو انار کھلایا کرو وہ جلدی جوان ہوں گے''۔

(25) حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ حضور ﷺ کو روئے زمین پر پیدا ہونے والے پھلوں میں انار سب سے زیادہ مرغوب اور محبوب تھا۔

(26) انار غذا بھی ہے، دوا بھی ہے اور پھل بھی ہے۔ بعض بزرگوں نے اسے میووں میں شمار نہیں کیا۔

(27) سفید انار سے زیادہ مفید سرخ دانے والا انار ہوتا ہے۔

(28) انار کو کھانے کے وقت شحمات سے باہر نکالنا چاہئے اس کا اثر سریع ہوتا ہے۔

(29) انار کو نمک کے ساتھ کھانے سے گریز کرنا چاہئے۔

(30) علم تصوف کے مطابق انار کھانے سے انقباض ختم ہوتا ہے۔ روحانی جوش کا وسیلہ ہے۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾

''اور ان میں خوش خصال اور خوش جمال عورتیں ہوں گی، تو تم دونوں جنو اور انسانو اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

فردوسی جمال کی اٹھائیسویں شعاع

''فِيْهِنَّ'' جمع مؤنث کی ضمیر ہے۔ مفسرین نے یہ امکان لکھا کہ اس میں اشارہ چاروں جنتی باغوں کی طرف ہو رہا ہے اور یوں بھی کہا گیا کہ پچھلے ہی دو باغوں کی مختلف انواع اور اقسام ہوں گی ان

مفردات

فِيْهِنَّ: ان میں
خَيْرٰتٌ: بہت ہی اچھی عورتیں
حِسَانٌ: خوبصورت
فَبِاَيِّ: تو کون کون سی
اٰلَآءِ: نعمت
رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی
تُكَذِّبٰنِ: تم دونوں گروہ جھٹلاؤ گے

سب کی طرف اشارہ مقصود ہے(110)۔

ابو منصور محمد ماتریدی لکھتے ہیں(111):

''خَيْرٰتٌ، خیرَہ'' کی جمع ہے۔ یہ سیدہ کے وزن پر ہے جسے تخفیف کی بنا پر خیرات پڑھا گیا ہے۔ بعض بزرگوں نے اسے ''خیرہ'' پڑھا ہے۔ یہاں لفظ وصفی معنیٰ رکھتا ہے یہ اسم تفضیل کے معنوں میں نہیں لایا جارہا ہے''۔

ابن جریر طبری خامہ فرسائی فرماتے ہیں(112):

''اس لفظ کا معنیٰ وہ عورتیں ہوتیں ہیں جن میں حسن صورت بھی ہو اور حسن سیرت بھی ہو۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے اس لفظ کا معنیٰ پوچھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صاف ستھری اور خوبصورت چہروں کی مالک جن کا اخلاق بھی اچھا ہو ''خَيْرٰتٌ'' ہوتی ہیں''۔

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں(113):

جنتی عورتیں خوش خصال ہوں گی ان کی یہ خوبیاں دنیا میں بھی عورتوں کی تربیت کرتی ہیں کہ ان کا رہنا سہنا ایسا ہی ہونا چاہئے:

(1) وہ ''دمرات'' نہیں ہوں گی یعنی ان میں بدبو نام کی کوئی چیز نہیں ہوں گی۔ ''دمر'' اس بدبو کو کہتے ہیں جو کسی خارجی فعل سے پیدا ہو۔ بہت زیادہ گندہ رہنے سے یہ بدبو پیدا ہوسکتی ہے۔

(2) دوسری صفت یہ ہوگی کہ ان میں وہ بُو بھی نہیں ہوگی جو جسم کے اندر سے پیدا ہوتی ہے یعنی منہ یا بغل وغیرہ کی بدبو نہ ہوگی۔ صاف ستھری جن کی فردوسی مہک روحوں کو معطر اور معنبر کردے گی۔

(3) ان عورتوں میں ''التطلع'' نہیں ہوگا۔ مردوں کے عیبوں پر تنقید کی غلاظت ڈالنے والی وہ نہیں ہوں گی۔ وہ عورت جو کلام پر تنقید کرے۔ فضول گرفت اس کی عادت ہو ''متطلعة'' ہوتی ہے۔ ''خَيْرٰتٌ'' کا مطلب صاف دماغ اور صاف زبان خواتین ہوتا ہے(114)۔

(4) جنتی عورتیں ''متشوفات'' نہیں ہوں گی۔ ''تشوف'' بے مقصد اور بے معنیٰ ہار سنگار کرنا ہوتا ہے۔ جنتی عورتوں کا فطری حسن شباب پر ہوگا۔ انہیں فضول ہار سنگار کی

ضرورت نہیں ہوگی۔

(5) ان حوروں کی پانچویں صفت یہ ہوگی کہ وہ ''ذربات'' نہیں ہوں گی۔ ''ذرب'' کا معنیٰ بے حد تیز ہونا ہوتا ہے۔ چرب زبان ہونا اور دراز زباں ہونا ''ذروبت'' ہوتی ہے۔ عورت کے اندر دنیا میں بھی یہ خصلت نہیں ہونی چاہئے۔

(6) جنتی عورتیں ''سلیطات'' نہیں ہوں گی۔ گفتگو میں ہر مقام پر بے ادبی، بدمزاجی اور حاوی ہونے کی خواہش کا غالب آجانا۔ اشارہ اس طرف ہے حوران جنت نہ تو بدزبان ہوں گے اور نہ بے ادب، نہ ان کی زبان سے تیزی ٹپکے گی اور نہ زبان درازی کا وہ علَم ہوں گی۔

(7) حورانِ جنت ''طماحات'' نہیں ہوں گی۔ غصہ اور غضب سے کسی پر نگاہ ڈالنا ''طمح'' ہوتا ہے۔ وہ نظریں جو اپنی جفا خوئی سے دوسروں کو پیس کر رکھ دیں وہ ''طماحت'' کا رنگ لئے ہوتی ہیں۔

(8) آٹھویں صفت یہ ہوگی وہ ''طوافات'' سے نہیں ہوں گی۔ وہ عورتیں جو گلیوں اور کوچوں میں آوارہ گردی کرنے والی نہیں ہوں گی۔

(9) حسان الفکر ہوں گی۔ کوئی بھی دمیم اور بدشکل نہیں ہوگی۔

(10) مزاج میں حیا، پاکیزگی، متانت رکھنے والی ہوں گی۔ واللہ اعلم

(11) جنتی عورتیں ہر مقام کو روشن کردیں گی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر اہل جنت کی کوئی عورت آسمانوں اور زمینوں کی طرف جھانکے تو ان کے درمیان تمام مقامات روشن ہوجائیں اور ہر سُو خوشبو بکھر جائے۔ ان عورتوں کے سر کا دوپٹہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے (115)۔

(12) مروی ہے کہ حورانِ جنت جب کہیں گی ہم نازک ہیں، ہم نعمتوں کی پلی ہیں، ہم خوشیوں میں رہنے والی ہیں، ناراضگی ہم سے قریب بھی نہیں آتی، دوام ہمارا نشان ہے، ہم مٹتی نہیں اسے مبارک ہو جسے ہم ملیں گی۔

اس پر اہل ایمان عورتیں جواب میں کہیں گی:

ہم نماز پڑھتی ہیں تم نے تو کبھی نماز پڑھی نہیں، ہم روزہ رکھتی ہیں تم نے تو کبھی یہ لذت چکھی نہیں، ہم صدقہ دینے والی ہیں تمہیں تو یہ عزت نصیب نہ ہوئی، بخدا یہ حوروں پر غالب آجانے والی محصنات ہوں گی (116)۔

آیت کے آخر میں ادراک روحانی سے یہ جلوہ نصیب کرنے کے بعد پوچھا گیا: اے جنات اور انسانوں کے گروہ یہ کچھ اگر جنت میں مل جائے تو کوئی نعمت اس سے آگے ہوسکتی ہے سو ''تکذیب''

اکابر مفسرین نے ''مَّقْصُوْرٰتٌ'' کا معنیٰ محبوسات کیا ہے یعنی وہ حسین عورتیں جو اپنے اپنے خیموں میں باپردہ نشست لگائے ہوں اور ان کے مقامات عظیمہ ان کے انتظار کی بے تابیاں ظاہر کر رہے ہوں۔ ''مَّقْصُوْرٰتٌ'' کا اشارہ اس طرف ہے وہ اغیار کی نظروں سے بچنے والی ہوں گی وہ ان ہی کے لئے ہوں گی جن کے لئے انہیں تیار کیا گیا ہو(121)۔

آیت میں ''اَلْخِیَامِ'' خیمہ کی جمع ہے اور یہ لفظ اس قبہ کو کہتے ہیں جو لکڑیوں پر کھڑا کیا گیا ہو۔ یہ بھی پڑھا گیا ہے کہ دنیا کے خیموں پر جنت کے خیّام کو قیاس نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ جنت کے خیمے خوبصورت اور چمکتے دمکتے موتیوں سے بنے ہوں گے۔ ایک ایک خیمے کی چوڑائی ساٹھ ساٹھ مربع میل ہوگی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خیام سے مراد ''حجلہ'' ہے۔ یہ عربی زبان میں پالکی کو بھی کہتے ہیں اور دولہا دلہن کے لئے جو کمرہ تیار کیا جائے اسے بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہ بات لغت کی کتابوں میں موجود ہے کہ قیمتی کپڑوں اور موتیوں سے جو گھر دلہن کے لئے سجایا جائے تو ''الحجلہ'' کہلاتا ہے(122)۔

ایسی خوبصورت نعمتوں کے بیان کے بعد یہ پوچھنا ذرا بتاؤ تو سہی تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ **واللہ اعلم**

علامہ بقلی لکھتے ہیں(123):

> ''اللہ تعالیٰ نے ان حورات مقصورات کو اپنے اولیاء کے لئے خاص کر رکھا ہوگا۔ وہ نور کا لباس پہنے ہوں گی اور حجلۂ قدس میں سریرِ نور پر ایسے آراستہ ہوں گی کہ ان پر موتیوں اور دل آویزی سے لبریز یاقوت کے پردے ہوں گے۔ وہ اپنے فضیلت مآب ہم نشینوں کا انتظار کر رہی ہوں گی۔ وہ اللہ کے ان دوستوں کے بغیر آنکھ اٹھا کر بھی کسی طرف نہیں دیکھیں گی''۔

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ ج

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ ج

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ ج

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾

(۷۴) اس سے پہلے انہیں کسی انسان نے چھوا تک نہیں ہوگا اور نہ ہی کسی جن نے

(۷۵) تو تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے

(۷۶) جنتی تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے جن پر خوبصورت سبز رنگ کے غالیچے بچھے ہوں گے

(۷۷) پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے

(۷۸) بڑا برکتوں والا آپ کے ربّ کا نام بڑے جلال والا اور انتہائی کرم والا

مفردات

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ: نہ چھوا اُن کو، نہ ملاقات کی اُن سے، حوریں شوہ دیدہ رہیں

اِنْسٌ: کسی انسان نے

قَبْلَهُمْ: اُن سے پہلے

وَلَا جَآنٌّ: اور نہ کسی جن نے

فَبِاَيِّ: تو کس کس نے، تو کون کون سی

اٰلَآءِ: نعمت

رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی

تُكَذِّبٰنِ: تم جھٹلاؤ گے

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۚ۝۷۴ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ۝۷۵

''اس سے پہلے انہیں کسی انسان نے چھوا تک نہیں ہوگا اور نہ ہی کسی جن نے، تو تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

جمالیاتی حظوظ کی تیسویں شعاع

اس مفہوم کی آیت سورۃ الرحمٰن میں پہلے بھی گزری ہے، اب اس بات کا اعادہ کیا جا رہا ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں تشویق میں زیادتی اور حدّت کے لئے اس حقیقت کا تکرار کیا گیا ہے ۔ عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ بات جمالیاتی شوق کے ماحول میں رغبت اور انس کو بڑھا دینے والی چیز ہوتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ پہلے ازواج المقربین کی توصیف مقصود تھی اور اب ازواج الابرار کی تعریف کی جا رہی ہے۔ ایک بات ہر جگہ دیکھی گئی ہے کہ توصیف میں چند باتوں کا تکرار ہے:

وہ عورتیں خوبصورت ہوں گی

وہ نازک اندام ہوں گی

وہ اللہ کے مقربین اور صالحین کے لئے ہوں گی

وہ یاقوت بدن اور موتیوں کی طرح شفاف بدن رکھیں گی

وہ کسی غیر کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھیں گی

وہ نظریں بچانے والی پاکباز ہوں گی

وہ نہ کسی کی رغبت رکھیں گی اور نہ ہی کسی نے ان کو چھوا ہوگا

وہ گوری اور چٹی ہوں گی جو روحوں میں کھبیں گی

وہ اچھی ہم نشیں ہوں گی

وہ خیموں میں مستور ہوں گی

ان کا لباس استبرق، سنہری تاروں اور دیباج کا ہوگا

وہ پانی کے فواروں سے اٹکھیلیاں کریں گی

صالحہ خواتین کا مرتبہ حوروں سے بھی زیادہ ہوگا

ان کے بچھونے رفرف کے ہوں گے۔

حضرت محمد بن کعب کی روایت جنت میں ہر مومن تین تین ہزار حورانِ باوفا اور صالحات کی صحبت سے نوازا جائے گا (124)۔ واللہ اعلم

□□□□□□□□

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾

''جنتی تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے جن پر خوبصورت سبز رنگ کے غالیچے بچھے ہوں گے، پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے''۔

محیّر العقول نشستوں کی حیرت انگیز اکتیسویں شعاع

''رَفْرَفٍ'' کا لغوی معنیٰ زبیدی حنفی نے خوبصورت درختوں کے خوشنما سبز پتے لکھا ہے(125)۔ زمخشری نے لکھا کہ ریشم یا اس سے ملتی جلتی کسی چیز سے بنائے نفیس کپڑے کو ''رَفْرَفٍ'' کہتے ہیں(126)۔

ابن اثیر الجذ ری نے لکھا(127):

''نفیس بستر یا پردہ ''رَفْرَفٍ'' ہوتا ہے۔ شب معراج آپ نے سبز، گداز اور نرم قالین دیکھا اسے ''رَفْرَفٍ'' کہا گیا''۔

راغب اصفہانی نے لکھا کہ خیمہ کے کناروں پر جو خوبصورت کپڑے لٹکے ہوتے ہیں انہیں ''رَفْرَفٍ'' کہتے ہیں(128)۔

علامہ آلوسی رقم طراز ہوتے ہیں(129):

''حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بستر پر سونے کے لئے جو چادر استعمال ہوتی ہے اسے مجالس کہتے ہیں ۔ جوھری کے نزدیک سبز کپڑا ''رَفْرَفٍ'' ہوتا ہے۔ خواجہ حسن بصری غالیچہ اور قالین معنیٰ لیتے تھے۔ جبائی نے بلند بستر کا معنیٰ کیا ہے۔ آرام کے لئے تیار کی گئی طویل وعریض جگہ بھی ''رَفْرَفٍ'' ہوتی ہے''۔

سیوطی نے ''رَفْرَفٍ'' کا معنیٰ مجالس خیر لیا ہے(130)۔

''عَبْقَرِيٍّ'' کا معنیٰ واضح کرنے کے لئے اسماعیل حقی لکھتے ہیں(131):

''یہ جنات کی طرف منسوب ایک جگہ کا نام ہے بلکہ ہر عجب چیز کو ''عبقر'' کہہ دیا جاتا ہے''۔

قطرب لکھتے ہیں(132):

''خوبصورت بچھونے ، قالین اور غالیچے'' عبا قر''

مفردات

مُتَّكِـِٕيْنَ: ٹیک لگانے والے

عَلٰى: پر

رَفْرَفٍ: غالیچوں پر، قالینوں یا گداز بستر

خُضْرٍ: سبز

وَّ: اور

عَبْقَرِيٍّ: محیّر العقول اور عجیب کپڑوں، تکیوں اور نفیس بستروں

حِسَانٍ: خوبصورت

فَبِاَيِّ: تو کون کون سی

اٰلَآءِ: نعمتیں

رَبِّكُمَا: اپنے ربّ کی

تُكَذِّبٰنِ: تم جھٹلاؤ گے

مفردات

کہلاتے ہیں۔ ''عبقر'' شہر کا نام ہے۔ مفسرین نے
اس قول کی تائید کی ہے''۔

ابن عطیہ نے لکھا خوبصورت تصویر اور نقوش رکھنے والا کپڑا ''عبقر'' ہوتا ہے۔ شخصیات غیر معمولی صلاحیتیں رکھنے والے شخص کو ''عَبْقَرِيٍّ'' کہہ دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی صلاحیتیں دیکھ کر انہیں ''عَبْقَرِيٍّ'' قرار دیا تھا(133)۔

مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ مکہ میں چاندنیاں تیار کرنے والے ایک شخص کا نام ''عبقر'' تھا۔ اس کا کام لوگوں کو پسند بہت آتا تھا۔ اس پر اچھے آدمی کو ''عَبْقَرِيٍّ'' کہہ دیا جاتا ہے(134)۔

تشریح میں یہ بھی کہا گیا کہ خوبصورت ریشمی کپڑے کو ''استبرق'' کہتے ہیں۔ جو نقوش اس سے بھی بالا ہو وہ ''عَبْقَرِيٍّ'' ہوتا ہے اور الدیباج سب سے اعلیٰ قسم ہوتی ہیں۔ اہل جنت کی نشست گاہیں درجہ بدرجہ آراستہ ہوں گی۔ اہل عرب ہر اچھی نسبت رکھنے والے شخص کو ''عَبْقَرِيٍّ'' کہہ دیتے تھے(135)۔

شب معراج کی حدیث

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سدرۃ المنتھیٰ تک پہنچے تو آپ کو ''رَفْرَفٍ'' پیش کی گئی۔ یہی کرم کی سواری آپ کو لے کر عرش تک پہنچی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ ''رَفْرَفٍ'' مجھے لے کر اڑی، یہاں تک کہ اس نے مجھے ربّ تک پہنچا دیا۔ اس کی پرواز کبھی اونچی ہو جاتی اور کبھی نیچی ہو جاتی، جب واپسی کا حکم ملا تو ''رَفْرَفٍ'' ہی آپ کو عرش سے واپس لائی اور نیچے ہو کر جبرائیل کے سپرد کر دیا(136)۔

❁❁❁❁❁

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾

''بڑا برکتوں والا آپ کے ربّ کا نام بڑے جلال والا اور انتہائی کرم والا''۔

تَبٰرَكَ: بڑا برکتوں والا آپ کے
اسْمُ: نام
رَبِّكَ: آپ کے ربّ
ذِي: والا
الْجَلٰلِ: جلال
وَالْاِكْرَامِ: اور انتہائی کرم والا

سورۃ الرحمٰن کا خاتمہ

سورۃ الرحمٰن کی آخری آیت اور پہلی آیت ملا کر پڑھی جائے تو چند حقائق ہیں جو کھل کر قاریٔ قرآن کے سامنے آجاتے ہیں اور فطرت کا یہ وہ اہم راز ہے جو کسی کی سمجھ میں آجائے تو آسمان و زمین اپنے خزانوں کے دروازے اس کے لئے کھول دیتے ہیں:

(1) ایک کائنات میں جاری نظام رحمت ہے
(2) دوسرا کارگہ حیات میں روحانی اسرار و رموز کا مہبط نظامِ برکت ہے
(3) ان دو خزانوں کا امین نظام ربوبیت ہے

(4) خاص اسم جس کے طفیل برکت ورحمت میسر آجاتی ہے

(5) رحمت کے سوتے قرآن کے نظام تعلیم کے عام کرنے سے پھوٹتے ہیں۔

(6) نظام روحانیت کی برکتیں ان کے نام کا ذکر کرنے سے آسانی سے میسر آتی ہیں۔

(7) سورت کی تلخیص قرآن حکیم نے خود بیان کردی کہ برکتیں، رحمتیں، توفیقات، فہم، عمل صالح، جمال، جلال سب کچھ الرحمٰن کے ہاتھ میں ہے۔اس کی طرف مراجعت، بدن، روح اور دنیا وآخرت سب کو منور کردیتا ہے

(8) ایک راز کی بات قرآن حکیم منکشف کرتا ہے۔سورت میں دنیا کی نعمتیں بھی اللہ نے ''ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ'' کے الفاظ پر بیان کرنی ختم کی ہیں اور اشارہ یہ دیا کہ نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرو لیکن باقی رہنا یہ اللہ کے التفات کرم ہی سے ممکن ہے۔روحانی نعمتیں اور اخروی نعمتیں بھی سورۃ الرحمٰن کے آخر میں ''ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ'' کے لفظ پر ختم ہوئیں۔اشارہ یہ ہے کہ دانائی جہاں سرنگوں ہو کر سجدہ ریز دکھائی دیتی ہے وہ ''ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ'' سے تعلق اور ربط ہے۔

(9) درالمنثور میں ہے کہ ایک شخص دعا کررہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ''یا ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ'' اے کہ وہ جو جلال اور اِکرام والا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اے اللہ کو اس نام سے مخاطب کرنے والے تیری دعا مستجاب ہے، اب جو چاہو اپنے ربّ سے مانگ لو''۔

(10) زروقی لکھتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذوالجلال والاکرام ہونے پر یقین پیدا کرلیتا ہے۔''جلال'' سے اللہ تعالیٰ کے نام کی ہیبت دل میں بیٹھتی ہے اور ''اکرام'' کا نام سن کر روح میں مانوسیت پیدا ہوتی ہے اور ایمان خوف اور رِجا ہی کے درمیان ہوتا ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

التجاومناجات

سورۃ الرحمٰن کی تفسیری رعانیاں سمیٹنے کی توفیق ہوئی، کائنات کی نبض پر جانِ رسالت کی انگلیاں دلوں کی طرح دھڑکتی محسوس ہوئیں۔قرآن مجید کے لفظوں سے حیات اور زندگی کے سوتے پھوٹتے پائے۔بزم ہست رحمت کی کرم گستریوں سے حدت مآب اور فضیلت مآب محسوس ہوئیں

لفظوں میں جلووں کی رم جھم
لہجوں میں بارانِ نور کی تازگی
ترکیبوں میں کرمِ حیات کا خروش
اعراب میں صہبائے روح کی آبگینہ گدازی
کلماتِ نور رنگ میں دھنک آرائی
قافیوں میں عدمیت شعر کی صداقت
بیانوں میں سمندروں کی صدفیت
افکار میں حکمتوں کا سہل ممتنع
معانی میں سدرۃ المنتہیٰ کی بلندی
اعطائے شعور میں دانائی کا بانکپن

سورۃ الرحمٰن میں عِلم کے سورج نصف النہار پہ محسوس ہوتے ہیں

سبحان اللہ اس سورت میں زمین اور آسمان ہم آغوش ہوجاتے ہیں

سورۃ الرحمٰن میں معلم القرآن اور تلمیذ القرآن کا تقرب دو کمانوں سے بھی کم رہ جاتا ہے

سورت کے چہرے پر رازوں کا پردہ بھی حسن مستور کا جلوہ دکھائی دیتا ہے اور اس کا بیان اتنا آشکار ہے کہ سورج کی کرنوں میں بھی روشنی تھکی تھکی محسوس ہوتی ہے

دلوں کی دھڑکنیں سورت کے پہلے لفظ ہی کے ساتھ کشکول بن جاتی ہیں

وادیوں، صحراؤں، کوہستانوں، بیابانوں مدر و شجر، ریگ و حجر اور ارض و سما سب کو زبان مل جاتی ہے اور الرحمٰن کے دست رحمت سے جلوۂ برکت نچھاور ہونے لگتا ہے مانگ لو جو مانگ سکتے ہو

سورت الرحمٰن کے نکتے رحمت

سورت الرحمٰن کے ہدیے رحمت

سورت الرحمٰن کا حرف حرف

جشن رحمت!

جشن برکت!

جشن حرکت!

جشن چراغاں!

اعلانِ بہاراں!

اہتمام رستہ خیزی

سامانِ بخت خیزی

حرف دانائی

لفظ مسیحائی

حکم داد آرائی

عجب بات قرآن نے سمجھائی

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ

یارحمٰن جسے تو نے تعلیم دی اس کا واسطہ جھولیاں بھر دے

نصیبے جگا دے!!

محرومیاں ختم ہو جائیں

بے کسوں اور پسے ہوئے تیرے بندوں

کے دلوں کی اجاڑ بستیوں میں رحمت

اور تیری محبت کا چراغاں ہو جائے

اللہ اللہ!

اللہ اللہ اللہ!

یارحمٰن یارحمٰن یارحمٰن

تجھے تیری کبریائی کا واسطہ

تجھے تیری یکتائی کا واسطہ

اپنی رحمت سے قرآن کی تعلیم دے دے

انسانیت کو اسلامیت کا دوشالا اوڑھا دے

تخلیق کو تخلیقی صلاحیت کا ہدیہ دے دے

لفظوں کی شوخی معاف کر دے

معاف کردے

تو ''کاشف الکروب'' بھی ہے

اور غافر الذنوب بھی ہے

تیری دونوں صفتیں تیری رحمت ہیں

اگر مانگنا گستاخی ہے تو

مانگے بغیر ہی بندہ نوازی فرمادے

سورت پڑھانے والے! تو نے جسے پڑھائی بلکہ سکھائی

وہ ''جوامع الکلم'' کا مالک ہوگیا

ہم تو تیرے بندے ہیں شمس وقمر اور نجوم وشجر

انعامات کے حساب میں ہے اور شکر کے لئے سجدہ گزار بنے ہیں

تیرا ذکر رحمٰن تو ہے ہی ہم سجدہ بھی کرتے ہیں اور شکر بھی کرتے ہیں اور جو تو ہمیں دے گا اس کا حساب بھی کرتے ہیں

تو ہمیں کتنا دے گا؟

ستارہ نواز ربّ!

کواکب نواز مولا!

شجر نواز قیوم!

شمس نواز آقا

اور قمر نواز رحمٰن یار حمٰن ظرف بھی دے اور علم سنبھالنے کا سلیقہ بھی عطا کر

عمل بھی دینے والا تو ہے اور مٹی کے دیس سے

شاہ حسن کو عرش نشین کرنے والا بھی تو ہے تیرے قرب کا ملکوت یا ربّ آقا ہی کو نصیب ہو

ہمیں ابوتراب کے دیس میں علم وحکمت بھرا کوئی نشان دے کر بخشش کا انعام دے دے
ہمارے جسموں اور وجودوں کی مٹی بھی یا علی کہہ کر
یارحمت اور یارحمٰن کا ذکر ورد کرتی رہے گی!
آسمانوں کو رفعت دے کر
میزان حق سے انہیں بہجت دینے والے پروردگار!
وزن، وژن رکھنے والا ہی قائم رکھ سکتا ہے
تو پہلے وزن دے
پھر تو ہمیں وژن دے
پھر نیتوں میں انصاف کی جستجو بخش
پھر مدد فرما، جمال صدق کے سائے میں یہ کام ہو جائے
تو نے میزان بھی وضع فرمائی اور انسانوں کے لئے زمین کی توضیع بھی کی
وضع کو حسن کی تازگی بخشی
لانبے لانبے درخت
نخل ذائقہ دار کی ابھرن
نگار صبح کے دامن میں روشنی کے پھول
چمکتی گھاس
مہکتا چنبا
گلکاریاں!
پھلکاریاں!!

سحر کاریاں!!!

رحمت کاریاں!!!

اور برکت نوازیاں

تیری ہر نعمت پر تیرا شکر!!!

مولا شکر!!!

سجدوں کی صورت

رکوعات کی صورت

تسبیح، تہلیل اور تمجید

اے رحمن!

جنوں کو بنا کر تو نے اظہار نعمت کیا

یہ دنیا میں آگ!!!

دشمنانِ رسالت پر ہر قسم کی آگ ڈال

دشمنانِ آل واصحاب پر مار جین کو بھڑکا دے!!!

صد شکر بہر نعمت

یا رحمن!

یا ذوالجلال والاکرام!!!

مشرق کے ربّ!!!

مغرب کے ربّ!!!

مشرقین کے ربّ!!!

مشارق اور مغارب کے ربّ
ہزار بار تیری نعمتوں پر تیرا شکر
لاکھوں، اربوں اور لاشمار شکر
صدقے صدقے سو ہنڑیا!!!
میرے کریم!!
ہمیں بھی تعلیم قرآن دے دے!!!
وجود کی بوٹیوں میں!
ہڈیوں کے چورہ میں!
گوشت کی کترن میں!
دھڑکنوں کی اترن میں
اور
سانسوں کی حدت میں
جگر کی تپش میں
حواس کے لمس میں
قرآن سمو دے
وجود کے ریزے ریزے کو
اذنِ تکلّم بخش کہ قرآن
ہمارے اندر باہر گونجے!
ہم جانتے ہیں کربلا میں تیرا یہ کرم ہو چکا ہے

یارحمٰن! ہم بھی ان کے ''خدو مچے'' ہیں
عصر جدید کے یزیدیوں سے بچالے
ان کی بدبو! انہی کی طرف دھکیل

یاربّ
یاذالجلال والاکرام
ہمارے رتجگوں کو علی وحسن اور حسین ہی کی گلی میں زندگی بخش!!

یاممرج البحرین!!!
یاذاالجلال والاکرام!!
عشق رسالت کی مٹھاس رکھنے والوں

اور

گستاخیوں کی تلخی میں رہنے والوں میں

اور

طیبین اور خبیثین میں برزخ قائم فرمادے!!!

نہ وہ ادھر چڑھ دوڑیں

اور

نہ ہم ادھر قدم رکھنے کی زحمت کریں
تیری نعمتوں پر تیرا شکر
کریما تیرے کرم پر صد ہزار شکر
گناہوں کو بھی معاف فرمادے

معاف فرمادے

کشکول نوازی کا شکریہ کشکول بھرنے کی نعمت بھی دے دے

سمندروں میں سفینے تو دوڑاتا ہے

دریاؤں میں جہاز تو رواں کرتا ہے

موج سمندر کو حکم کی رسیوں میں تو جکڑتا ہے

تیری قدرت کو سجدہ

تیرے قدیر ہونے کو قیام

فنا بھی تجھ سے ہے

اور بقا بھی تیری نوازش ہوتی ہے

اگر ہم ''چشمۂ بقا'' کی جستجو کر بیٹھیں

گستاخی معاف ہو جائے

تیرا چہرہ کہاں تلاش کریں؟

یاربّ مانا کہ تیرے چہرے کے جلووں پر تیرے جلال کا حجاب ہے

لوح ادراک میں تجھے اتاروں کیسے؟

لوح دل پر تجھے سوچوں کیسے؟

لوح سینا پر تیرے تصور کا عکس سجاؤں کیسے

کہیں مکرر مفتیاں نیک خو

سولی پر چڑھا نہ دیں

حق حق حق حق حق

سمجھ تو میں گیا ہوں

تیری عطا سے

چہرۂ حق بھی ادھر ہی ہے

''انا الحق'' بھی ادھر ہی ہے

بوئے حق بھی ادھر ہی ہے

داتا، غریب نواز اور عبدالقادر

مخادیم اُچ سب ادھر ہی ہیں

بلّے بلّے بھی ادھر ہے

اور

بُلھے بُلھے بھی ادھر ہی ہے

ربّ کریم

ربّ جلیل

ربّ رحیم

ربّ الرحمٰن

یاذاالجلال والاکرام

گناہوں!

خطاؤں!

اور لغزشوں نے مار دیا

سانپ راتیں ڈستی ہیں

ہوائیں آگ برساتی ہیں

اپنی شان ظاہر فرما!!!

شیطان نگر میں قیمت نہ لگے ہماری

سب سے اچھے دام

تیری رضا ہے!!!

تیری عطا ہے

ایک پیر صاحب کہتے ہیں

تجھے تُو نہ کہوں

کروں کیا تُو ھو یا ھُو ہو

تجھے تُو نہ کہوں تو توحید میں تجمیع گونجتی ہے

آپ کہوں تو ادب دوئی کی چادر تان لیتا ہے

جنات نے بھاگ کر کہاں جانا ہے

اور معشر انسان کا سلطٰن تیرے بغیر کون ہے

یاذاالجلال والاکرام!

آسمان کو پھٹنے سے محفوظ رکھ

اسے تارکول کی تپش اور دھواں نہ بنا

ہماری پیشانیوں پر محبت کے نقوش مرتسم کر

ہمیں تکبر، غرور اور ریا کے سیاہ دھبّے نہیں درکار!!!

مولا یہ نشانیاں تو علی دشمنی کی ہیں

ہمیں اس ذلت سے بچائے رکھ!!!

ہمیں تیری محبت کے پھول چاہئیں

آسمانی!

ارغوانی!

زعفرانی!!!

کاسنی!!!

یاسمینی !!!

شاخ رحمت سے ہمیں ٹوٹنے سے محفوظ رکھنا

مولا جہنم سے بچانا

مجرمین!!!

ملزمین!!!

مارقین!!!

اور موقوفین

سب جو بنفشہ رنگ پھولوں کو مسلتے ہیں

مولا ان کی صحبت سے بچا

قرآن سے دور لوگوں کے تصور ہی سے دم گھٹتا ہے

خوف ہے یا نہیں

ہم اپنی بدقسمتی کا اعتراف کرتے ہیں

تو کرم کر دوجنتوں کی ہوا کے لئے ہم ترس رہے ہیں

دورویہ پھولوں کے تختے بچھانے والے

دل آویز موسم کا نور ہمیں بھی عطا فرما

دو دو چشمے جاری کرنے والے

متنوع پھلوں اور پھولوں کی جنت بسانے والے!!!

بادشاہوں کی دنیا میں

تکیہ لگانے والے

ریشم اور دیباج کا باطن رکھنے والے!!!

پھر

خوبصورت دوستوں کی معیت

آبگینہ رنگ موتی!

روشنیوں کے ملگجے!

یاقوت اور مرجان

واہ واہ!!

نیکیوں کی بھی کیا احسن جزا ہے

سبحان اللہ!!!

الحمدللہ!!!

اللہ اکبر!!!

بے ساختہ یاد آ گیا

یہ کرم کے سودے تو محض تیری عطا سے ہوں گے

تو جسے چاہے دو دو مزید باغ دے دے

روپہلی چاندنی!!!

مسکراتے نظارے!

اچھلتے کودتے جھرنے!!!

گرتی ٹپکتی موج آور آبشاریں!!!

ٹھنڈی دوپہریں

گہرے، نرم اور گداز پلنگ

اور بے حد سرسری دھنیں

ایسے نظاروں میں خوش بخت جو ہوں گے

سلام، سلام، سلام

میٹھے لذیذ پھل!!!

معصوم شگوفے!!!

چہچہاتے پرندے!!!

چمکتی لچکتی دمکتی دوشیزائیں

حورالعین! فیا سبحان اللہ!

خیموں کا علو

دیکھو تو تاج محل بھول جائیں

ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھریں

نغمے بکھر بکھر کر چمکیں!!!

وقت!

مقام!

حرکت

رحمت ہی رحمت

کرم ہی کرم

ایسی بے نظیر جنت

جہاں

کوئی کسی کے دل پر نہ قدم رکھے

نہ دل توڑے

حسد نہ غلّ

جنت، عزت، سکون اور سہولتیں

ہم نے مان لیا!!!

یہ سب کچھ ملے گا اُسی کو جو مخلص ہوگا، طالبِ حق ہوگا آؤ مل کر کہہ دیں

یاذاالجلال والاکرام

الرحمٰن کے تصدق

معاف کردے اور قرآن مجید کے چند پھول

مزید عطا کردے

مہربان!

اور بے نیاز!

اپنے خزانوں کے تحفے مجھے اور میرے ساتھیوں کو خوب اور خوب عطا کر دے

فی الحال

ہمارے لئے تُو، قرآن اور تیرے محبوب رسول کافی ہیں

یاذاالجلال والاکرام

لبیک

لاشریک لک لبیک

ان الحمد والنعمۃ لک والملک

لاشریک لک لبیک

درود وسلام کے ساتھ قلم سورۃ الحدید کے بحر رحمت میں توفیق باری کے مطابق غوطہ زن ہونے لگا ہے اللہ اکبر

26- محرم الحرام 1441 بمطابق 26۔ستمبر 2019ء بروز جمعرات

بوقت تہجد الحمدللہ کثیرا و سبحان اللہ بکرۃ و اصیلا

(1) روح البیان: اسماعیل حقی
(2) الجامع: قرطبی
(3) تفسیر مظہری: ثناءاللہ پانی پتی
(4) فی ظلال القرآن: سید قطب
(5) سراج: خطیب شربینی
(6) تفسیر حسن بصری: مرتب شیر علی
(7) تفسیر طبری: ابن جریر
(8) فی ظلال القرآن: سید قطب
(9) تفسیر القرآن: ماوردی
(10) تفسیر القرآن: نحاس
(11) تفسیر القرآن: فرانحوی
(12) زاد المیسر: ابن جوزی
(13) فی ظلال: سید قطب
(14) نظم الدرر: بقاعی
(15) انوار التنزیل: بیضاوی
(16) زاد المیسر: ابن جوزی
(17) تفسیر مظہری: پانی پتی
(18) روح البیان: اسماعیل حقی
(19) المفردات: راغب
(20) معارف القرآن: مفتی شفیع
(21) مواہب الرحمن: سید امیر
(22) زاد المیسر: ابن جوزی
(23) تاج العروس: زبیدی
(24) روح البیان: اسماعیل حقی
(25) برہان القرآن، نقی
(26) تدبر قرآن: امین اصلاحی
(27) المفردات: راغب اصفہانی
(28) تاج العروس: زبیدی حنفی
(29) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(30) مواہب الرحمٰن: سید امیر
(31) مواہب الرحمٰن: سید امیر
(32) کشف الاسرار: رشید الدین المیبدی
(33) درالمنثور: سیوطی
(34) فی ظلال القرآن: سید قطب ایضاً نورسی ایضاً اللہ اور سائنس ایضاً انسائیکلوپیڈیا آف برٹینکا
(35) المنار: رشید رضا ایضاً فی ظلال القرآن: سید قطب ایضاً تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت
(36) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(37) تفسیر طبری: ابن جریر طبری
(38) التفسیر البسیط: واحدی
(39) مواہب الرحمٰن: سید امیر علی شاہ
(40) روح البیان: اسماعیل حقی
(41) مواہب الرحمٰن: سید امیر علی شاہ
(42) تفسیر السراج: خطیب شربینی
(43) ضیاء القرآن: پیر کرم شاہ الازہری
(44) روح البیان: اسماعیل حقی، قرطبی، آلوسی، ایضاً رازی
(45) جامع البیان: ابن جریر طبری ایضاً قرطبی ایضاً وھبہ ایضاً فخر رازی
(46) روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً مواھب الرحمٰن
(47) لسان العرب: ابن منظور ایضاً تاج العروس ایضاً ضیاء القرآن
(48) المفردات: راغب اصفہانی
(49) روح البیان: اسماعیل حقی
(50) تدبر قرآن: امین اصلاحی
(51) فی ظلال القرآن: سید قطب
(52) تفسیرِ مظہری: ثناءاللہ پانی پتی
(53) روح البیان: اسماعیل حقی
(54) تاج العروس: زبیدی حنفی القاموس، الجامع لاحکام القرآن ایضاً وھبہ ایضاً ابن عاشور ایضاً تاویلات اھل سنت
(55) المفردات: راغب ایضاً روح البیان
(56) معالم: بغوی
(57) تفسیر مظہری: پانی پتی

(58) القرآن سورۃ الصافات آیت:24

(59) القرآن سورۃ الحجر آیت:93,92

(60) تفسیر مظہری: ثناءاللہ پانی پتی

(61) فی ظلال القرآن: سید قطب

(62) گلدستہ تفاسیر: عبدالقیوم

(63) تفسیر مظہری: ثناءاللہ پانی پتی

(64) تفسیر مظہری: پانی پتی

(65) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(66) روح البیان: اسماعیل حقی

(67) روح البیان: اسماعیل حقی

(68) تفسیر القرآن: بغوی

(69) روح البیان: اسماعیل حقی

(70) التحریر: ابن عاشور

(71) التحریر: ابن عاشور ایضاً فخر رازی

(72) تفسیر قشیری: امام قشیری

(73) تفسیر حسنات: ابوالحسنات

(74) روح البیان: اسماعیل حقی

(75) روح البیان: اسماعیل حقی

(76) روح البیان: اسماعیل حقی

(77) تاج العروس: زبیدی حنفی

(78) لسان العرب: ابن منظور

(79) المفردات: راغب

(80) تاج العروس: زبیدی حنفی

(81) تفسیرات حسن بصری: شیر علی ڈاکٹر

(82) روح البیان: اسماعیل حقی

(83) مواہب الرحمٰن: امیر علی شاہ

(84) تفسیر مظہری: پانی پتی

(85) جامع البیان: طبری ایضاً روح ایضاً مظہری ایضاً موہب ایضاً حسنات ایضاً ضوّء البیان ایضاً ابن عاشور

(86) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(87) تفسیر القرآن: فراءنحوی

(88) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی

(89) تفسیر القرآن: ابنِ کثیر

(90) تفسیر قرطبی: قرطبی ایضاً آلوسی ایضاً ابن کثیر

(91) تفسیر حسنات: ابوالحسنات ایضاً رازی ایضاً مظہری ایضاً امیر علی ایضاً وھبہ

(92) تفسیر حسنات: سید ابوالحسنات ایضاً روح البیان ایضاً آلوسی ورازی

(93) روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً قرطبی ایضاً وھبہ

(94) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(95) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(96) روح البیان: اسماعیل حقی

(97) روح البیان: اسماعیل حقی

(98) روح البیان: اسماعیل حقی

(99) تفسیر حسینی: کاشفی ایضاً تفسیر حسنات

(100) تفسیر حسین بحوالہ ترجمہ نگار تفسیر روح ایضاً مجمع البیان: طبرسی ایضاً عیاشی

(101) المفردات: راغب

(102) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً لسان ایضاً لغات ایضاً المفردات

(103) مواہب الرحمٰن: سید امیر

(104) تفسیر کبیر: رازی ایضاً خطیب

(105) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی

(106) تفسیر حسنات: سیدی ابوالحسنات

(107) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً روح ایضاً رازی

(108) تفسیر حسنات: سید ابوالحسنات

(109) روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً تاویلات اہل سنت ایضاً نمونہ ایضاً ابن جریر طبری ایضاً آلوسی ایضاً رازی ایضاً ابن کثیر

(110) التحریر: ابن عاشور

(111) تاویلات اہل سنت: ماتریدی ایضاً سیوطی

(112) تفسیر طبری: ابن حریر

(113) روح البیان: اسماعیل حقی

(114) تاج: زبیدی حنفی

(115) روح: حقی

(116) روح: اسماعیل حقی
(117) تفسیر کلام الرحمان: عبدالرحمان سعدی ایضاً تفسیر ماتریدی
(118) تفسیر طبری: ابن جریر طبری ایضاً رازی ایضاً الجزائری
(119) المفردات: راغب
(120) تاج العروس: زبیدی ایضاً لغات القرآن ایضاً الصحاح
(121) تاویلات اہل سنت: ماتریدی ایضاً واحدی ایضاً پانی پتی ایضاً المحرر ایضاً روح
(122) روح البیان: اسماعیل حقی
(123) عرائس البیان: بقلی ایضاً روح البیان ایضاً الجزائری ایضاً کاشفی
(124) مناظر الجنہ: سید باقر الامین
(125) تاج العروس: زبیدی حنفی
(126) کشاف: زمخشری
(127) النہایہ: ابن اثیر الجزری
(128) المفردات: راغب
(129) روح المعانی: آلوسی
(130) درالمنثور: سیوطی
(131) روح البیان: اسماعیل حقی
(132) روح البیان: اسماعیل حقی
(133) المحرر الوجیز: ابن عطیہ
(134) روح البیان: اسماعیل حقی
(135) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً القاموس المحیط
(136) روح البیان: اسماعیل حقی

❁❁❁❁❁

سورۃ الواقعہ

روحوں، ذہنوں اور دلوں کو پاکیزہ بنانے والے

پاک رسول کی لوح قلب پر ان کی مکی زندگی میں

نازل ہونے والا مطہر کلام، حرف حرف روشنی اور لفظ لفظ خوشبو

تین رکوع چھیانوے آیات اور تین سو اٹھتر کلمات پر مشتمل حیرت نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک ایسا کلام نگاہوں کی پتلیوں میں روشنی بن کر سمارہا ہے کہ کوئی کلام اس سے مشابہ نہیں۔اس میں ہر حرف حلاوت سے لبریز ہے۔یہ شجر طوبیٰ ہے جو فکری، روحانی اور عملی پھلوں سے لدا ہوا ہے۔اس کی شاخیں ثمر بار ہیں اور اس کی جڑیں شاداب ہیں۔ذہنوں، دلوں اور روحوں پر چھا جانے والی خوشبو اس کلام کا اعجاز ہے۔یہ متاعِ بے بہا ہے، یہ سرمایۂ سکون ہے، یہ ایک دوسرے جہان کا امانت دار منادی ہے، یہ زبان میں لذت پیدا کرتا ہے اور اس کا ادب سخن کی ہر دنیا کو مسخر کر لیتا ہے۔اس کی باتیں یقین رکھیں حتمی حجت کا درجہ رکھتی ہیں اور اس کی حجتیں محکم آسمانی کڑاہیں، اس کا اسلوب، اس کے الفاظ اور اس کے کلمات یاقوت و مرجان سے زیادہ نفیس اور چمک رکھتے ہیں۔اس کے مکالمات میں عرش کی بلندی ہے اور اس کی سلاست رونق بخشتی ہے اور اس کا تکرار روحانی نشاط کا خوبصورت زبور ہے۔اس کے چھوٹے وقفے مسحور کن حیرانگی سے سانسیں کھینچ لیتے ہیں اور اس کے لہجے سمندری جوش نہیں ملکوتی عطاؤں کا دولہا محسوس ہوتے ہیں۔اس کے اعراب سے حسن کی بارا تیں سجتی ہیں اور اس کے وقوف وسکون سے فردوسی بربطوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔اس عظیم کلام کی رحمتیں بے بہا ہیں اور برکتیں دھنک اور چاند کی طرح معنویت کے سمندر میں مدّ و جزر پیدا کر دیتی ہیں۔اس کلام کے ذخائر لامحدود ہیں اور تمثیلات عمیق ہونے کا اعزاز رکھتی ہیں۔اس کی دولت اور ثروت نطق نبی کے بوسے لینے کی سند رکھتی ہے۔دن میں اس کا پڑھنا آنکھیں کھول دیتا ہے اور رات میں پڑھنا جھولیاں بھر دیتا ہے۔قیامتیں ہیں جو اس سورت کی معنویت میں چھپی بیٹھی ہیں۔سنو تو سہی، دیکھو تو سہی، یہ بحر ذخار ہے اس کا غواص کبھی محروم نہیں رہتا۔

اس سورت کے فضائل میں ابن کثیر اور قرطبی نے ایمان افروز حقیقت دلچسپ پیرائے میں بیان کی ہے(1):

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آخری مرتبہ جب علالت کا شکار ہو گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیمار پُرسی کے لئے تشریف لے گئے اور پوچھا:

ماتشتکی؟

آپ کو کون سا مرض لاحق ہو گیا ہے؟

ابن مسعود رضی اللہ عنہ بولے: ''**ذنوبی**''

''مجھے میرے گناہوں نے بیمار کر دیا ہے''

ایسے میں ''ابن مسعود''!

تم چاہتے کیا ہو؟

جواب میں آپ نے فرمایا:

''رحمۃ ربی''

''مجھے صرف میرے ربّ کی رحمت درکار ہے''۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

اَفَلاَ نَدعو لک طَبیباً!!!!

''تو کیا ہم آپ کے لئے طبیب کا بندوبست نہ کریں''۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا:

''طبیب ہی نے تو مجھے بیمار کیا ہے''۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''کیا آپ کے لئے ماہانہ عطیہ کا بندوبست نہ کر دیں؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا:

''مجھے اس کی ضرورت نہیں''۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تمہارے بعد یہ عطیات تمہاری بچیوں کے کام آئیں گے۔

عثمان! تو کیا تمہیں یہ ڈر پیدا ہوا ہے

کہ میرے بعد افلاس اور احتیاج میری بچیوں کو توڑ دے گی

سن لو کہ ایسا نہیں ہوگا میں نے یہ بات ان کے دل میں اتار دی ہے کہ ہر رات وہ سورۃ الواقعہ پڑھا کریں۔

میں نے اللہ کے رسول کو یہ فرماتے سنا ہے:

''جوشخص ہررات سورۃ الواقعہ تلاوت کرتا ہے وہ کبھی بھی بھوک اور افلاس کا شکار نہیں ہوگا''۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے:

''مستورات خانہ کو سورۃ الواقعہ سکھاؤ اس لئے کہ یہ دولت اور ثروت کی سورت ہے''(2)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جوشخص رات کو سورت الواقعہ پڑھتا ہے اسے فاقہ ہرگز ہرگز نہیں آئے گا''(3)۔

سورۃ الواقعہ میں پندرہ قسم کے مضامین بیان ہوئے ہیں:

(1) چشم کشا احوال

(2) دل کشا فردوسی مناظر

(3) اہوال قیامت

(4) اہل بہشت کے وجد آفرین ہدیے اور عطیے

(5) دوزخیوں کی دل دہلا دینے والی تصویریں

(6) تین قسم کے لوگ اپنے اپنے آئینے میں

(7) شکر گزاری کی تلقینات کا روحانی اسلوب

(8) انسانی عاجزیوں کی معجز تصویریں

(9) اعجاز قرآن کی عملی دلیل، اس کو پاکیزہ روحیں ہی چھوسکتی ہیں

(10) ثبوت معاد کی محکم دلیلیں

(11) انکار معاد سب سے بڑا جرم

(12) جمالیاتی حسوں کی حدت بیانی

(13) ''زمانہ آخری'' لوگ پہلوں کے سے

(14) نباتات میں حیات اور بارش میں آگ

(15) یقین آفرینی کے مضبوط براہین

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں (4):

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازیں اسی طرح پڑھتے تھے جس طرح تم آج پڑھتے ہو لیکن آپ کی نماز تخفیف والی ہوتی تھی۔ فجر کی نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۂ واقعہ اور اس جیسی دوسری سورتیں تلاوت فرماتے تھے''۔

سورۃ الواقعہ انسانی اذہان اور قلبی افکار کو بجلی کے سے جھٹکے کے ساتھ نکھار دیتی ہے۔ یہاں ''دعوت'' روشنی کو بھی لطیف چھنی سے گزار کر لاشعور اور شعور کی تہہ تک پہنچا دیتی ہے۔ کلام اتنا لطیف اور پاکیزہ ہو جاتا ہے کہ گندہ ذہن اس سے قریب نہیں ہو سکتا ہے۔ وہ ڈرتا ہے کچھ ہو نہ جائے اس کلام کو پاکیزہ لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ مادیت کے بے کراں صحراؤں میں بھٹکا ہوا انسان سورۃ الواقعہ کے طرب سے آشنا نہیں ہو سکتا ہاں مخلص شخص کو یہ عظیم سورہ خیالوں سے رعنائیوں تک لے آتی ہے اور موت کے گہرے سکوت سے توانائیوں تک سفر کروا دیتی ہے۔ سورۃ الواقعہ پڑھ کر دل اور ذہن یقین کر لیتے ہیں کہ قرآن معجزہ ہے۔

قارئین!

اللہ کا نام لیں اس کی تسبیح کریں، بسم اللہ!

سورت پڑھیں اور بصیرتوں کی جو روشنی ملے

اسے اللہ کی مدد کے ساتھ روح القلب اور قلب الروح میں اتار لیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

❁❁❁❁❁

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ﴿۱﴾
لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۘ﴿۲﴾
خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۙ﴿۳﴾
اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۙ﴿۴﴾
وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ﴿۵﴾
فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۙ﴿۶﴾

(۱) جب (واقعہ) ہوجانے والی واقع ہوجائے گی

(۲) جب قیامت بپا ہوگی اُسے کوئی جھٹلانے والا نہ ہوگا

(۳) کسی کو پست کسی کو بلند کرنے والی

(۴) یہ اس وقت ہوگا جب زمین تھر تھر کانپے گی

(۵) اور پہاڑ ٹوٹ کر درہم برہم ہوجائیں گے

(۶) پھر غبار بن کر بکھر جائیں گے

مفردات

اِذَا: جب
وَقَعَتِ: واقعہ ہو جائے گی، بپا ہو جائے گی، جیسے کہا گیا ہے اس کا ہونا وقوعی حق بن جائے گا
الْوَاقِعَةُ: سچائی کے ساتھ ہو جانے والی قیامت
لَيْسَ: نہیں
لِوَقْعَتِهَا: اس کے وقوع اور بپا ہونے والی حقیقت کو
كَاذِبَةٌ: کوئی جھٹلانے والا

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝١ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝٢

''جب (واقعہ) ہو جانے والی واقع ہو جائے گی، جب قیامت بپا ہو گی اُسے کوئی جھٹلانے والا نہ ہوگا''۔

تاویلات اہل سنت میں علامہ ماتریدی لکھتے ہیں (5):

''الواقعہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، ایسے جیسے القیامہ ہے، السّاعہ یا الطامہ ہے، الواقعہ سے البعث کا معنیٰ لیا گیا ہے، وہ دن جب انسان اللہ کی کچہری میں پیش ہوگا''۔

دوسری آیت میں قیامت کی واقعیت کی طرف بلیغ اشارہ کیا گیا کہ اس حقیقت کا بپا ہونا اتنا بڑا سچ ہے کہ اس کو جھٹلایا جانا خلاف واقعیت ہے۔ علم اٹل ہو اور وہ صدق ہی صدق ہو تو اہل فکر اسے علم تسلیم کرتے ہیں۔ وقوع قیامت پر ایک مقدر سوال ہی سے دوٹوک انداز میں جواب دیا گیا ایسے جیسے وقوع قیامت کا منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا ہو۔

الفاظ کی معنویت اور کلام کا ''اِذَا'' سے شروع کرنا لطیف نکات اور دقیق معانی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(1) معاد کے مسئلے کو اہمیت دی گئی ہے تا کہ یہ یقین افزا ہو
(2) اسلوب کی ندرت معنوی تاثیر کے تعمق پر دلالت کرتی ہے
(3) احوال کی شدت اور ہولناکی کلام سے ظاہر ہو رہی ہے
(4) حوادث کے اثرات دنیا کی ایک ایک چیز پر ظاہر ہوں گے
(5) قبروں سے بعثت چونکہ یقینی امر ہے اس لئے اسے ''الْوَاقِعَةُ'' سے تعبیر کیا گیا ہے
(6) اس وقوعہ کو کوئی جھٹلانے والا نہ ہوگا (6)۔

❁❁❁❁❁

خَافِضَةٌ: نیچا دکھانے والی یا نیچا کر دینے والی
رَّافِعَةٌ: اونچا کر دینے والی

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝٣

''کسی کو پست کسی کو بلند کرنے والی''۔

تعبیر و تشریح

علامہ ناصر الدین سعدی لکھتے ہیں (7):

مفردات

''قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ وہ لوگ جو دنیا میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں اور تکبر ان کی خوراک بن جاتا ہے اس شدائد بھرے دن میں یہ اسفل السافلین میں ہوں گے۔ ان کو ذلیل کر دیا جائے گا جبکہ کمزور مومن اور نیک افراد روج افتخار پر متمکن ہوں گے، ان کی روحیں اعلیٰ علیین میں مزے کریں گی''۔

طبرسی نے اچھا لکھا (8) کہ خود کو دنیا میں ناگزیر سمجھنے والے صدر نشین ظلم قعر مذلت، قعر جہنم اور قعر ذلت میں دبا دیئے جائیں گے۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا ایک مبارک ارشاد ہے کہ قیامت ''خافضه'' ہے یہ خدا کے دشمنوں کو جہنم میں پٹخ دے گی اور قیامت ''رافعه'' ہے یعنی یہ اللہ کے دوستوں کو بلندیاں بخش کر بہشت میں لے جائے گی۔

❁❁❁❁❁

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝۴ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝۵ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۝۶

''یہ اس وقت ہوگا جب زمین تھر تھر کانپے گی اور پہاڑ ٹوٹ کر درہم برہم ہو جائیں گے، پھر غبار بن کر بکھر جائیں گے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (9):

''الرّجه'' کا معنیٰ حرکت شدیدہ ہوتا ہے۔ زلزلے کی شدت بیان ہو رہی ہے۔ جھولا جس طرح اوپر نیچے ہوتا ہے تو دل دہل جاتے ہیں اسی طرح زمین کانپے گی، لرزے گی، اس پر رہنے والے اوپر نیچے ہوں گے، مکانات منہدم ہو جائیں گے۔ درخت جیسے کوئی اکھیڑ کر پھینک دے۔ پہاڑ تنکوں کی طرح اڑنے لگ جائیں گے۔ ہر چیز ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گی''۔

آیت میں پہاڑوں کے ٹوٹنے اور پھوٹنے کے لئے لفظ ''بَسًّا'' استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب پریشان اور منتشر مٹی ہوتی ہے (10)۔

ائمہ لغت لکھتے ہیں (11):

''ستو یا خشک روٹیوں کا سفوف جو پانی میں گھل جائے

اِذَا: جب
رُجَّتِ: کانپے گی
الْاَرْضُ: زمین
رَجًّا: تھر تھرا کر
وَّبُسَّتِ: اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے
الْجِبَالُ: پہاڑ
بَسًّا: چورا ہو کر
فَكَانَتْ: تو ہو جائیں گے
هَبَآءً: باریک غبار
مُّنْۢبَثًّا: پراگندہ، پھیلا ہوا، منتشر

اسے ''بَسًّا'' سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ ریزہ ریزہ کر دینا یا چورا کر دینا ''بسَ یبسّ'' ہوتا ہے لیکن ''بسّ الابل'' کا معنیٰ اونٹ کو نرمی سے چلانا ہوتا ہے''۔

''انبسّ'' کا معنیٰ سانپ کا تیزی سے رینگنا ہوتا ہے۔ مفہوم آیت کا بہر طور پہاڑوں کا چلانا، ہانکنا اور انہیں ریزہ ریزہ کر دینا ہوگا''۔

''ھبا'' کا لفظ جو معنیٰ رکھتا ہے اسے دماغ میں مستحضر کرنے کے لئے سوچئے کسی روشن دان سے جب دھوپ آ رہی ہو تو اس دھوپ میں اندر کچھ اڑتے ہوئے ذرّے نظر آتے ہیں جنہیں مٹھی میں پکڑنا چاہو تو مٹھی میں کوئی چیز نظر نہیں آتی انہی دیدہ یا نادیدہ ذرات کو ''ھباء'' کہتے ہیں۔ یہ بھی اگر منتشر ہو جائیں تو کیا رہے گا اور کیا نظر آئے گا''۔

ابن کثیر لکھتے ہیں (12):

''ھَبَآءً'' ان شراروں کو بھی کہتے ہیں جو آگ جلاتے وقت پتنگوں کی طرح اڑتے ہیں۔ جب وقوعِ قیامت کے وقت پہاڑوں کی حالت یہ ہوگی اس شدید وقت میں انسانوں پر کیا گزرے گی، ایسے ہی ہوگا جیسے چھلنی میں کوئی چیز پڑی ہے جسے کوئی ہلا رہا ہے۔

واللہ اعلم

وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ؕ ﴿۷﴾
فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ؕ ﴿۸﴾
وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ؕ ﴿۹﴾
وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۙ ﴿۱۰﴾
اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ ﴿۱۱﴾
فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۱۲﴾

(۷) اور تم تین گروہوں میں بٹ جاؤ گے

(۸) پس دائیں ہاتھ والے کیا شان ہے دائیں ہاتھ والوں کی

(۹) اور بائیں ہاتھ والے کیسی شامت ہوگی بائیں ہاتھ والوں کی

(۱۰) اور سبقت لے جانے والے تو سبقت لے جانے والے ہیں

(۱۱) کیا کہنا اللہ کے مقرب لوگ یہی ہیں

(۱۲) نعمتوں بھری جنتوں میں

وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿۷﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۸﴾ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۹﴾

''اورتم تین گروہوں میں بٹ جاؤ گے، پس دائیں ہاتھ والے کیا شان ہے دائیں ہاتھ والوں کی اور بائیں ہاتھ والے کیسی شامت ہوگی بائیں ہاتھ والوں کی''۔

علامہ قاضی ثناءاللہ پانی پتی لکھتے ہیں(13):

''وقوعِ قیامت کا حادثہ لوگوں کو تین حصوں میں بانٹ دے گا: ایک تو وہ ہوں گے جو ''اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ'' ہوں گے، دوسرے ''اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ'' ہوں گے اور تیسرے ''السّٰبِقُوْنَ'' ہوں گے۔ پہلے گروہ کو ''الْمَيْمَنَةِ'' کہا گیا ہے یہ لفظ ''یمن'' سے مشتق ہے جس کے معنیٰ سعادت اور خوش بختی ہوتا ہے، اس اعتبار سے پہلی جماعت سعادت مند لوگوں کی ہے۔ اگر یہی لفظ ''ایمن'' سے ماخوذ ہوتو پھر اس کا معنیٰ دایاں ہاتھ ہوتا ہے، سعادت مند لوگوں ہی کے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال پکڑایا جائے گا اس لئے انہیں ''اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ'' کہا گیا ہے اور یہ بھی ہے کہ نیک لوگوں کو دائیں ہاتھ سے پکڑ کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا یہ ہاتھ سے پکڑنا اعزاز اور عزت کے لئے ہوگا۔ یہ بھی ہے کہ انہیں ''اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ'' اس لئے کہا گیا ہے کہ اُن کی روحیں آدم علیہ السلام کے دائیں طرف تھیں''۔

زندگی انہی لوگوں کی زندگی ہے جو یمن وسعادت کی جستجو میں کٹے اور ان کی زیست اپنا جوڑا ''نرمادہ'' دیکھ کر قائم نہ کرے بلکہ نیکی، احسان اور کرم کی جنس دیکھ کر کرے۔

''مشئمہ'' کا مفہوم

اس لفظ کا معنیٰ نحوست لکھا گیا ہے چونکہ بائیں جانب عربوں میں بدقسمی کی علامت ہوتی ہے اس لئے اس کا معنیٰ بایاں بھی کیا گیا ہے۔ وہ لوگ جو اپنی ساری زندگی نافرمانی میں بسر کریں ان کے

مفردات

وَّكُنْتُمْ: اور ہو جاؤ گے تم
اَزْوَاجًا: گروہ ہم جنس گروہ
ثَلٰثَةً: تین
فَاَصْحٰبُ: تو وہ لوگ
الْمَيْمَنَةِ: دائیں جانب والے
مَآ اَصْحٰبُ: کیا ہیں وہ دائیں والے؟
الْمَيْمَنَةِ: دائیں
وَاَصْحٰبُ: اور لوگ
الْمَشْئَمَةِ: بائیں جانب
مَآ اَصْحٰبُ: کیا ہیں وہ لوگ؟
الْمَشْئَمَةِ: مشأمہ کا لفظ شوم سے ہے جس کا معنیٰ نحوست ہوتا ہے چونکہ انہی کو بائیں جانب والا کہا گیا ہے اس لئے بائیں سے ترجمہ کر دیا گیا ہے، یہی حال لفظ ''الْمَيْمَنَةِ'' کا ہے، ترجمہ میں رعایت ''قدماء'' کے تتبع کی ہے

بدبخت ہونے میں شک نہیں لیکن محاورہ میں ''مشئمہ'' بائیں بازو کے لئے بھی لایا گیا۔ بدبخت مشرکین اور فاسقین کو بائیں بازو سے پکڑ کر جہنم میں جھونک دیا جائے گا یا یہ کہ ان کے بائیں ہاتھ میں ان کا نحوست نامہ تھمایا جائے گا۔ آیت میں دونوں مقامات پر ''مَآ'' تعجب کے لئے لایا گیا ہے یعنی اصحاب یمن ویمین کی برکتوں اور فضیلتوں کا کیا کہنا اور اصحاب شوم کے لئے ''مَآ'' لانا بھی انتہائے نکارت اور شوم بیان کرنے کے لئے ہے(14)۔

حسن بصری کا ارشاد ہے(15):

''وہ لوگ جو اپنے بارے میں نیکیوں کی سعادت مندی
کے لئے کوشاں رہتے ہیں وہ ''میامین'' ہیں اور وہ لوگ
جو خود کو بد کاریوں کی ظلمت میں آلودہ رکھتے ہیں وہ
''المشائیم'' ہیں۔

مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ وہ لوگ جو نیکیوں کے راستے میں آگے آگے رہتے ہیں وہ متقدمین ''اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ'' ہیں اور وہ لوگ جو پیچھے پیچھے رہتے ہیں وہ ''اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ'' ہیں(16)۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۱۱﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۱۲﴾

''اور سبقت لے جانے والے تو سبقت لے جانے والے ہیں، کیا کہنا اللہ کے مقرب لوگ یہی ہیں، نعمتوں بھری جنتوں میں''۔

قرآن مجید نے جن تین گروہوں کا ذکر کیا تھا ان میں تیسرے گروہ کی اہم خوبی اور وصف حمیدہ کا ذکر کیا جارہا ہے کہ یہ لوگ سبقت کرنے والے ''سابقین'' ہیں۔ ''سابقون'' سے ان لوگوں کو کہا جارہا ہے جو ایمان میں پیش قدمی کرنے والے ہیں۔

تفسیر قرطبی میں ہے(17):

''سابقون'' وہ ہیں جنہیں حق دیا جائے تو وہ قبول کرلیں
اور جب ان سے سوال ہو تو وہ خرچ کردیں اور لوگوں پر
وہ حکم لگائیں جو اپنے اوپر لگاتے ہیں''۔

محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد انبیائے کرام ہیں(18)۔

محمد بن سیریں فرماتے تھے کہ ''سابقون'' وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز

مفردات

وَالسّٰبِقُوْنَ: اور سبقت کرنے والے
السّٰبِقُوْنَ: پوری پوری سبقت کرنے والے، آگے آگے نکل جانے والے
اُولٰٓئِكَ: یہی ہیں
الْمُقَرَّبُوْنَ: خاص مقرب افراد
فِيْ: میں
جَنّٰتِ: باغات میں
النَّعِيْمِ: خاص خاص نعمتوں والے باغات، ہمیشہ رہنے والے باغ، شگفتہ، تر و تازہ اور بہجت و سرور سے لبریز

پڑھی ہے(19)۔

مجاہداور ضحاک فرماتے تھے(20):

''جہاد اور نماز کی طرف سبقت کر جانے والے
''سابقون''ہیں''۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ توبہ اور نیکی کی طرف سبقت کر جانے والے''سا بقین''ہیں۔بغوی نے لکھا کہ''السّٰبِقُوْنَ''اہل القرآن ہیں وہ جو ہمہ دم قرآن حکیم کی نشر وتبلیغ کی طرف متوجہ رہتے ہیں(21)۔

راغب اصفہانی نے لکھا کہ چال اور رفتار میں بھی آگے نکل جانے والا''سابق''ہوتا ہے اور اوصاف حمیدہ میں آگے نکل جانے والا''سابق''ہوتا ہے(22)۔

ابن کثیر لکھتے ہیں(23):

''سابقون''چار ہیں:

''وہ جو حضرت موسیٰ پر سب سے پہلے ایمان لائے،وہ مومن
جن کا ذکر سورۂ یٰس میں ہوا،وہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر
ایمان میں سبقت لے گئے اور چوتھے حضرت علی بن ابی
طالب جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان میں سبقت لے گئے''۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

اللباب نے ایک حدیث ابن کثیر کے قول کے مقابلہ میں وضعاً نقل کی اور چوتھے مومن کی جگہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھ دیا،نیک بختوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ ڈنڈی مارنے سے تو یہ پانچ مومن بن جائیں گے چار کا عدد متروب ہو جائے گا۔اے کاش! خاندان رسالت کی محبت محققین کو ہضم ہو جاتی،رہ گیا معاملہ خلافت راشدہ کی فضیلتوں کا وہ حسب تاریخ مسلّمہ ہیں۔اللہ تعالیٰ سینوں کی غِلّ اپنے نور سے دور کرے(24)۔

اگلی آیت میں کہا گیا''السّٰبِقُوْنَ''ہی''الْمُقَرَّبُوْنَ''ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں(25):

''سابقین''انبیاء اور ان کے کامل اتباع اور اطاعت کر
نے والے ہیں۔قرب خداوندی کا اعلیٰ درجہ جنت النعیم
ہی میں ملے گا اور یہی وہ لوگ ہوں گے،جو درجہ ان کو
ملے گا کسی اور کو میسر نہ آسکے گا''۔

❁❁❁❁❁

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ﴿۱۳﴾
وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ؕ﴿۱۴﴾
عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۙ﴿۱۵﴾
مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾
يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۙ﴿۱۷﴾
بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۙ﴿۱۸﴾
لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۙ﴿۱۹﴾

(۱۳) پہلے گزرنے والوں میں گروہوں کے گروہ

(۱۴) پچھلوں میں بھی کم لیکن موجود

(۱۵) مسہریوں پر جلوہ فروز جو سونے کی تاروں سے بُنی گئی ہوں گی

(۱۶) ٹیک لگا کر بیٹھے ہوں گے آمنے سامنے

(۱۷) ان کی خدمت میں سرگرداں ہوں گے ہم سن خوبصورت نوخیز لڑکے

(۱۸) پیالوں اور کوزوں کے ساتھ شراب کے اُبلتے چشمے سے چھلکتے جام

(۱۹) اُس سے ان کو نہ تو دردِ سر ہو نہ وہ مست و مدہوش ہوں

مفردات

ثُلَّةٌ: بہت بڑا گروہ
مِّنَ: سے
الْاَوَّلِيْنَ: پہلوں میں سے
وَقَلِيْلٌ: اور تھوڑے سے
مِّنَ: سے
الْاٰخِرِيْنَ: پچھلے لوگوں میں سے

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

''پہلے گزرنے والوں میں گروہوں کے گروہ، پچھلوں میں بھی کم لیکن موجود''۔

''ثُلَّةٌ'' کا لغوی مفہوم

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں (26):

''ثلہ'' کا معنیٰ انبوہ کثیر ہوتا ہے۔ اصل میں ''ثلہ'' اون کے گٹھے کو کہتے ہیں۔ اون کا ڈھیر بھی ''ثلہ'' کہلاتا ہے۔

اون کی رسی کو ''حبل ثلہ'' کہہ دیتے ہیں اس لئے کہ رسی میں اون کی تاریں کثیر ہوتی ہیں (27)۔

''ثَلَّ الدار'' گھر کی دیوار کی بنیاد سے مٹی کھود کر نکالنا ''ثلہ'' ہوتا ہے اس طرح دیوار کو دھکا دے کر گرایا جاسکتا ہے (28)۔

''بیت مثلول'' اس گھر کو کہتے ہیں جو کھنڈر بن گیا ہو اور اس پر کثیر سال اور لمبا عرصہ گزر گیا ہو (29)۔

''ثلہ' ثا'' کی کسرہ کے ساتھ ہلاکت کا معنیٰ دیتا ہے شاید ڈھیر ہو کر گر جانا مناسبت لغوی رکھتا ہے، بہر طور بڑی جماعت ''ثلہ'' کہلاتی ہے (30)۔

معنوی تعبیر

آیت کی پہلی تعبیر یہ ہے کہ ''ثُلَّةٌ'' کہہ کر قافلۂ انسانیت کی پیشوائی کرنے والے تمام انبیائے کرام اور ان کے صالحین اتباع کرنے والے مراد لئے گئے ہیں اور ''قَلِيْلٌ'' سے اشارہ پہلے تمام انبیاء اور صالحین کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے اور پچھلے تمام غلام مراد لئے گئے ہیں اور وہ پہلوں کی نسبت سے قلیل ہیں (31)۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں (32):

''سیاق کلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے بارے میں ہے اس لئے کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں پہلوں کے اندر المقربین کی کثیر تعداد ہے اور کردار اور تقویٰ کے روشن نشان رکھنے والے اُمت کے پچھلے حصہ میں بھی گو تھوڑے ہوں گے مگر موجود ضرور ہوں گے۔ امام مہدی علیہ السلام ایسی ہستیاں جن کی اقتدا میں عیسیٰ علیہ السلام نماز ادا کریں گے وہ کمزور تو نہیں ہوں گے، عظیم المرتبت

ہوں گے۔ان کی فضیلتیں مسلّمہ ہوں گی، ایسوں ہی کے
نفخِ نور سے زمین ایمان کے ساتھ تازہ ہوجائے گی''۔

اصل تعریف تو آیت تمام اُمتوں میں صلاحیت اور تقویٰ کے قدردانوں کی کررہی ہے کہ ہر دور میں روشنی کی جستجو شعلہ بن کر بھڑکتی رہے گی۔ یہ تڑپ، یہ عشق، یہ آگہی اور یہ طلب پہلوں ہی کا مقدر نہیں، رہتی دنیا تک اس ڈھب کے دیوانے آتے رہیں گے، چراغ حق روشن رہے گا۔

❁❁❁❁❁

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿١٥﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿١٦﴾

''مسہریوں پر جلوہ فروز جو سونے کی تاروں سے بُنی گئی ہوں گی، ٹیک لگا کر بیٹھے ہوں گے آمنے سامنے''۔

آیت میں ''مَّوْضُوْنَةٍ'' کا معنیٰ

القاموس المحیط کا مؤلف لکھتا ہے(33):

''کسی چیز کو دوہرا اور تہرا کرنا، چمڑے پر دھاگہ اور زر سے نقش کاری ''وضن'' ہوتی ہے''۔

زبیدی حنفی لکھتے ہیں(34):

''زرّہ کا مضبوط بنانا اور اس کی کڑیوں کو خوبصورتی کے ساتھ ایک دوسرے سے جوڑنا ''وضن'' ہوتا ہے خصوصاً مرصع کاری اس لفظ کی روح ہے''۔

زبیدی حنفی کے لفظوں سے جنتی مسہریوں کی جو صورت سامنے آتی ہے وہ یہ کہ فردوسی پلنگ مضبوط بنے ہوں گے۔انہیں خوشنما مواد کے ساتھ آراستہ کیا گیا ہوگا۔سونے کی تاریں اس میں زیادہ استعمال ہوئی ہوں گی، بعض حصے چمڑے سے بنے ہوں گے جن پر دیدہ زیب تاروں سے نقش نگاری کی ہوگی۔ کہیں دیباج اور ریشم کے پارچے آرام دہ ہونے کا تصور دیں گے، پالکی نما مسہریوں پر یاقوتی ہودج ہوں گے۔سونے کے سرکنڈوں نے فردوسی پلنگوں کی نازکی میں اضافہ کررکھا ہوگا(35)۔

آیت میں اہم بات

''جنات النعیم'' میں مقربین کو جو جمالیاتی لذوذ، ذائقے اور مسرتیں میسر ہوں گی قرآن مجید ان کا نقشہ کھینچتا ہے:

(1) سورۃ الواقعہ نے جنتی پلنگوں کا جو نقشہ کھینچا ہے، اس میں اعزاز اور تکریم کا حسن ہے کہ

مفردات

عَلٰى: پر
سُرُرٍ: پلنگوں
مَّوْضُوْنَةٍ: ایک دوسرے سے مربوط ہوکر صف کشیدہ
مُّتَّكِـِٕيْنَ: ٹیک لگانے والے
عَلَيْهَا: اس پر
مُتَقٰبِلِيْنَ: ایک دوسرے کے روبرو، آمنے سامنے

جنتی لوگ کسی خوبصورت مقام پر قیدیوں کی طرح نہیں ہوں گے انہیں بیٹھنے کے لئے بادشاہوں کے تختوں کی طرح خوبصورت نشست گاہیں ملیں گی۔

(2) پلنگوں کو ''سُرُرٍ'' سے تعبیر کیا گیا ہے جو سرور اور مسرت سے ماخوذ ہے جو اس بات پر ولالت کرتی ہے کہ ایک روحانی خوشی ہوگی جو جنتی لوگوں پر طاری ہوگی۔

(3) جنتی تنہائی کا شکار نہیں ہوں گے ان کی نشستیں اجتماعی نشست و برخاست کا حسن لئے ہوں گی۔ان میں باہمی انس ومحبت کے تحفے ہوں گے۔

(4) ''وضن'' کا معنیٰ ہے کہ آرام دہ پلنگ مضبوط اور مرصع ہوں گے، کوئی ایک دوسرے سے دنیا کی طرح چھین نہیں سکے گا۔

(5) تکیہ لگائے ہونا ذہنی آسودگی، آرام اور قلبی اطمینان کی دلیل ہوگی۔ جنگ کا خطرہ ہو تو فوجی اکڑے ہوتے ہیں، وہ امن کی جگہ ہوگی اس لئے جنتی آرام سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے۔

(6) وہ آمنے سامنے ہوں گے، روبرو ہوں گے اور ان کی جنتی مسہریاں بے ترتیب نہیں ہوں گی صف کشیدہ اور مربوط ہوں گی، جو جنتی لوگوں کے بلند فکر ہونے پر دلیل ہوں گی اور فردوسی ماحول میں حسد اور غل کی ظلمت کے نہ ہونے پر دلالت کریں گی۔

(7) یہاں پر ذہن میں خیال پیدا ہوتا ہے ان کا آپس میں موضوعِ سخن کیا ہوگا، وہ روبرو بیٹھ کر کیا کر رہے ہوں گے۔ وہ بادشاہِ محبت لوگ کیا وہاں بھی کسی آرزو کی انگیٹھی گرم کئے ہوں گے۔مختلف احادیث سے جو پتہ چلتا ہے وہ یہ ہے:

کہ یہ لوگ مقربین ہوں گے اور قرب خداوندی کی خوشبو اور دیدار کا جلوہ انہیں مست محبوب بنائے ہوگا۔ وہ اللہ کا شکر اور ذکر کر رہے ہوں گے، وہ آپس میں اسرار آفرینش کھول رہے ہوں گے، وہ ایک دوسرے کے انس ومحبت سے متلذذ ہو رہے ہوں گے، اسمائے حسنیٰ کے بارے میں ان کی گفتگو ہوگی۔ وہ خاص قسم کی روحانی بازیافت کی جگہ ہوگی۔ یہ بھی ہے کہ جب وہ ایک دوسرے کے لئے سلام سلام کا ماحول بنائے ہوں گے تو دیوانگان رسالت اپنے نبی پر درود و سلام کی بھی بہار بنائے ہوں گے، ارغوانی، زعفرانی اور وجدانی نشستوں میں نعمت کا مزا اپنا ہی ہوگا۔ واللہ اعلم

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ ۙ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

''ان کی خدمت میں سرگرداں ہوں گے ہم سن خوبصورت نوخیز لڑکے، پیالوں اور کوزوں کے ساتھ شراب کے اُبلتے چشمے سے چھلکتے جام، اُس سے ان کو نہ تو دردِ سر ہو نہ وہ مست و مدہوش ہوں''۔

مقربین کی عزت و تکریم، ان کی جمالیاتی لذوذ اور ان کی سہولتیں اور ذہنی، قلبی اور بدنی خوشیوں کا اگلا مرحلہ قرآن حکیم بیان کر رہا ہے کہ سچے موتیوں کی سی شفاف اور پاکیزہ سیرت وصورت کے ساتھ اہل بہشت کی خدمت میں سرگرداں ہوں گے۔ ان کے ہاتھوں میں چھلکتے جام ہوں گے، یہ مے محبت ہوگی اس سے جسم ناتواں اور بے ڈھب نہیں لگیں گے بلکہ اللہ ہی کی محبت دوآتشہ ہوگی۔ جنت کا کوئی مشروب بیماریاں نہیں جنم دے گا، دلداریاں پیدا کرے گا۔ اہل بہشت یہ ازغوانی شراب پی کر اور صبانفس ہوں گے۔ رنگت اور نکھرے گی، رونق گل نفس شخصیتوں کو نکھارے گی۔ وہ آمنے سامنے اور روبرو بیٹھ کر ایک دوسرے کے چہروں پر اللہ سے پیار کی صباحت دیکھیں گے۔ انہیں اپنے یقین، ایمان اور اعتماد کی کرامت جنت میں محسوس ہو جائے گی وہاں مہیب جنگلوں کی وحشت نہیں ہوگی۔ سکون ہوگا، اطمینان کی روشنی ہوگی، حسن کے چاند چہروں میں چمکیں گے۔ وہاں کی فضا میں خدا کے حمدیہ گیت نغمگی لئے ہوں گے۔ طائران خوش آواز اہل بہشت کو خوش کر رہے ہوں گے۔

قرآن حکیم کی یہ آیت کہتی ہے ان کے خُدام ''ولدان'' ہوں گے یہ لفظ ولید کی جمع ہے۔ اس میں ''ولادت'' کا تقدس جھلک رہا ہے تاکہ کوئی ذہن آوارہ نہ ہو، ''**يَطُوْفُ**'' کا لفظ ان بچوں کی خدمت میں نشاط، تیزی، چابک دستی اور مستعدی بیان کر رہا ہے کہ جنت کے خُدام سستی اور غفلت سے بے کراں سمندروں کی طرح بعید ہوں گے۔ ''**مُّخَلَّدُوْنَ**'' کا لفظ ان خُدام کی ہمیشگی کی تصویر کشی کر رہا ہے اور ان بچوں کی یہ لطافت ہوگی وہ بوڑھے نہیں ہوں گے بڑے نہیں ہوں گے، خنک اور شگفتہ رہیں گے۔

ابوحنیفہ فرماتے تھے:

''اہل کفر کے بچوں کو اللہ جنتیوں کی خدمت کی سعادت دے دے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ان اہل دنیا کے بیٹے ہوں گے جو کوئی نیکی نہ کما سکے ہوں گے''۔

القاموس وغیرہ نے لکھا کہ ''**مُّخَلَّدُوْنَ** 'مقرطون'' کا معنیٰ دیتا ہے یعنی ان کے کانوں میں سونے کے بنے ہوئے ''گوش وار'' ہوں گے۔ یہ بھی کہا گیا کہ یہ ''**قردہ**'' کی طرح ''**خلدہ**'' ہے جس کا معنیٰ بالیاں ہوتی ہیں۔ کنگن پہننا آراستگی ہے یہ صرف دیدہ زیبی کا فردوسی رنگ ہے۔ کیا اسلوب کی

مفردات

يَطُوْفُ: پھریں گے
عَلَيْهِمْ: ان پر
وِلْدَانٌ: لڑکے
مُّخَلَّدُوْنَ: ہمیشہ ہمیشہ آراستہ
بِاَكْوَابٍ: کوزے
وَّاَبَارِيْقَ: اور آفتابے
وَكَاْسٍ: اور ساغر، جام
مِّنْ: سے
مَّعِيْنٍ: لت پت کر دینے والے
لَّا: نہ
يُصَدَّعُوْنَ: سر درد کئے جائیں گے
عَنْهَا: اس سے
وَلَا: اور نہ
يُنْزِفُوْنَ: بہکے جائیں گے

حدت ہے کہ خدام کا رنگ بھڑکتا ہوگا۔ پیالے اور ساغر چھلکتے ہوں گی۔ جنت تو پھر جنت ہے یہاں لہجے جھکے جھکے نہیں ہوں گے۔ جوانیاں دبی دبی نہیں ہوں گی اور آرزوئیں مٹی مٹی نہیں ہوں گی۔ یہاں سانسوں میں الجھنیں پھنسیں گی نہیں اور یہاں دھوپ سے تپے پریشان چہرے بھی نہیں ہوں گے۔ سبحان اللہ! یہاں نور، رنگ، خوشبو اور عطا ہر ایک کا شباب دیکھا جا سکے گا۔

آیت ساغر و جام کی ساخت پر بھی روشنی ڈالتی ہے کہ وہاں اکواب، اباریق اور پیالے ہوں گے۔ ''اکواب' کوب'' کی جمع ہے یہ سونے اور جواہر سے بنے کوزہ نظر برتن ہوں گے، انہیں پکڑنے کے لئے خرطومی نہیں ہوگی اور نہ ہی دستی ہوگی۔ اہل بہشت جدھر منہ رکھیں گے یہ جام صد آتشہ خود ہی خدمت میں پہنچ جائیں گے۔ ''اباریق، بریق'' کی جمع ہے یہ بڑے آفتابے کو کہتے ہیں جس کے سر کی طرف پکڑنے کے لئے دستیاں ہوتی ہیں اور یہ جام کمر سے تھوڑا پتلا ہوتا ہے۔ پیالہ وہ ہوتا ہے جو پینے کے کام آئے اس کے لئے کہا گیا کہ یہ چشمے کی طرح پھوٹے گا۔

مفسرین نے یہ بحث بھی کی کہ ''اکواب'' اور ''اباریق'' جمع ہے جبکہ ''کاس'' واحد لایا گیا ہے۔ یہ آدابِ میخانہ ہیں کہ جن برتنوں میں مشروب مستی خیز پڑا ہوتا ہے وہ خوبصورت وضع میں نوع با نوع ہوتے ہیں جبکہ پینے کے ساغر وضع وطرح میں یک رنگ ہوتے ہیں۔ جمالیاتی ادب کا تقاضا یہی تھا کہ صیغے یوں لائے جاتے۔

''الصدع'' دردسر کو کہتے ہیں۔ اس طرف اشارہ ہوا کہ جنت کے مشروبات لذیذہ دنیاوی شرابوں کی طرح دردسر کا ذریعہ نہیں بنیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

دنیا کی شراب سے چار چیزیں لاحق ہوتی ہیں:

(1) نشہ

(2) دردسر

(3) قے

(4) اور پیشاب کی کثرت

قرآن مجید کی آیتیں وضاحت کرتی ہیں کہ جنت میں نہ صدع ہوگا یعنی ان میں سے کوئی چیز لاحق نہیں ہوگی۔ ''انزاف'' کا معنیٰ عقل خراب ہونا ہوتا ہے یعنی نشہ بھی نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ لا
وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ ط
وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ لا
كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ ج
جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾
لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ لا
اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾

(۲۰) اور پھلوں میں سے جو وہ چاہیں

(۲۱) اور پرندوں کا گوشت جس کی وہ خواہش کریں

(۲۲) اور جاذب نظر گورا رنگ رکھنے والی کشادہ چشم بیویاں

(۲۳) ایسے جیسے موتی ہوں چھپا کر رکھے ہوئے

(۲۴) جزا ان کاموں کی جو وہ کرتے تھے

(۲۵) وہ اس میں نہ کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ گناہوں میں ڈوبی باتیں

(۲۶) بجز اس کے کہ وہ ''سلام ہی سلام'' سنیں گے

مفردات

وَفَاكِهَةٍ: اور پھل
مِّمَّا: اس میں سے
يَتَخَيَّرُوْنَ: جو وہ پسند کریں
وَلَحْمِ: اور گوشت
طَيْرٍ: اڑتے پرندوں
مِّمَّا: وہ جس میں سے
يَشْتَهُوْنَ: وہ جس قسم کا جی چاہے

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢١﴾

''اور پھلوں میں سے جو وہ چاہیں، اور پرندوں کا گوشت جس کی وہ خواہش کریں''۔

تفسیر بغوی میں ہے(36):

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اہل بہشت میں سے کسی کا جونہی جی چاہے گا کہ وہ کسی پرندے کا گوشت کھائے فوراً ہی وہ پرندہ مجسم اور تیار اس کے سامنے آپڑے گا''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(37):

''جنت کے اندر تم جس پرندہ کو دیکھ کر اس کی خواہش کرو گے وہ فوراً بھنا ہوا تمہارے سامنے آجائے گا''۔

حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(38):

''جنت کے اندر ایسا پرندہ ہوگا کہ اس کے ستر ہزار پر ہوں گے۔ وہ آکر جنتی کی رکابی میں گر پڑے گا، پھر پروں سے وہ پھڑ پھڑائے گا تو اس کے ہر پر سے ایک رنگ نکلے گا جو برف سے زیادہ سفید، مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ شیریں ہوگا اور اس کے مشابہ کسی دوسرے پر کا رنگ نہ ہوگا۔ جنتی کی خواہش پوری ہوگی تو وہ اڑ کر چلا جائے گا''۔

قرآن مجید کی ان دو آیتوں میں پہلے پھلوں کی نعمت بیان کی گئی اور پھر پرندوں کے گوشت کا ذکر ہوا۔ ہوتا یہ ہے کہ پھلوں میں نوعا نوعی ہے۔ دنیا میں بھی پھلوں کی قسموں کا گن لینا ایک مشکل معاملہ ہے، پھر ان میں رنگوں کی جاذبیت طبیعتوں پر خوش کن اثر چھوڑتی ہے۔ اس پر مستزاد تازگی اور لطافت روحوں کے لئے کشش کا باعث ہوتی ہے اس لئے پہلے پھلوں کا ذکر کیا اور پھر پرندوں کے گوشت کا ذکر ہوا۔ گوشت میں اتنا تنوع نہیں ہوتا اس کی لذت میں جی کھبتا ہے اس لئے جہاں پھلوں کا ذکر ہوا وہاں ''يَتَخَيَّرُوْنَ'' کا لفظ ہے کہ وہ انتخاب کریں گے۔ ظاہر ہے قسموں اور اقسام میں جب ہر پھل پر نظر رک جائے تو انتخاب ہی لذت کامی اور لذت روحی میں مدد دے سکتا ہے، پھر سامنے خدام بھی کھڑے

ہوں اور وہ خود عزت افزائی کے لئے کبھی ایک اور کبھی دوسرا پھل پیش کر رہے ہوں تو کیفیت یہ ہو جاتی ہے کیا کھاؤں اور کیا چھوڑوں۔ گوشت کے لئے قرآن مجید نے ''يَشْتَهُوْنَ'' کا لفظ استعمال کیا۔ اشتہا کی تیزی گوشت خوری سے مربوط ہے۔ ویسے بھی گوشت شہوات کو تیز کرنے والا ہوتا ہے، چاہتیں اسی خوراک سے بھڑکتی ہیں، خصوصاً پرندوں کا گوشت لذتوں کو سریع کرتا ہے۔

دو آیتوں کی ترکیب بتاتی ہے کہ گوشت خوری سے پہلے پھل خوری افادۂ طعام کو بڑھا دیتی ہے اور ہضم کرنے میں بھی فائدہ دیتی ہے۔

شجر طوبیٰ کی نعمت

طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے، جنت میں کوئی قیام گاہ اور مکان ایسا نہیں جس میں طوبیٰ کی کوئی شاخ سایہ نہ دے رہی ہو۔ اس درخت میں رنگا رنگ کے پھل ہیں۔ بختی اونٹ جیسے پرندے اس پر آ کر بیٹھتے ہیں۔ اہل بہشت کا دل جب گوشت خوری پہ آئے گا تو وہ پرندہ خود ہی اس کے سامنے آ جائے گا۔ جنتی کی خواہش کی جوں ہی تکمیل ہوگی وہ پرندہ اڑ جائے گا۔ شجر طوبیٰ ہی سے پھل ملیں گے (39)۔

سورۃ الواقعہ پڑھ کر روحوں کا میلان خود بخود آخرت کی وقوعی حقیقت کی طرف مڑ جاتا ہے۔ آیات کا اصل پھل قاری قرآن کے لئے دنیا میں یہ ہے کہ ان احکام پر عمل میں مسابقت برتی جائے جو ان نعمتوں کا سبب اخروی ہوں گے خصوصاً رحمۃ للعالمین آقا ﷺ کی محبت، اطاعت اور ان سے وابستگی کو مقصود بنا کر زندگی بسر کی جائے۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿٢٢﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿٢٣﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾

''اور جاذب نظر گورا رنگ رکھنے والی کشادہ چشم بیویاں، ایسے جیسے موتی ہوں چھپا کر رکھے ہوئے، جزا ان کاموں کی جو وہ کرتے تھے''۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ ''حُوْرٌ عِيْنٌ'' کا عطف ''غلمان مخلدون'' ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ جس طرح آراستہ پیراستہ خوبصورت بچے اہل بہشت کی خدمت پر مامور ہوں گے یوں ہی سیاہ چشم خوبصورت حوریں اہل جنت کی خدمت کے لئے ہمہ دم تیار ہوں گی (40)۔

عامۃ المفسرین نے دوسری تفسیر کو ترجیح دی ہے کہ یہ مبتدائے محذوف کی خبر ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے ''ولهم حور عين'' اور ان کے لئے ''حور العين'' ہے (41)۔

''حُوْرٌ'' ''حوراء'' کی جمع ہے اور ''احور'' اس شخص کو کہتے ہیں جس کی آنکھ کی پتلی مکمل سیاہ ہو اور باقی حصہ کی سفیدی جاذب اور پرکشش ہو اور ''عِيْنٌ'' موٹی آنکھ کے معنوں میں ہے۔ بعض نے یہ بھی

مفردات

وَحُوْرٌ: اور حوریں

عِيْنٌ: شرمیلی خوبصورت اور محبت نواز نظروں والی، خاص اور بے مثل بیویاں

كَاَمْثَالِ: ہر ایک اپنی مثال آپ، مثال تلاش کرو تو یوں، ایسے جیسے ہوتے ہیں

اللُّؤْلُؤِ: موتی، مروارید

الْمَكْنُوْنِ: پنہاں در صدف، مخفی، محفوظ جنہیں کسی نے چھوا نہ ہو

جَزَآءًۢ: جزا

بِمَا: اس کی جو

كَانُوْا: تھے وہ

يَعْمَلُوْنَ: کرتے، وہ عمل انجام دیتے

مفردات

لکھا کہ ''حُوْرٌ'' کا مادہ حیرت ہے یعنی اتنی خوبصورت عورت کہ آنکھیں دیکھ کر ششدر رہ جائیں۔ ''دُرّ مکنون'' اس لئے کہا گیا کہ موتی جب تک صدف میں ہو اسے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا وہ اپنی فطری حالت میں ہوتا ہے یعنی وہ محفوظ بھی ہوتا ہے اور اسے کسی میلی آنکھ نے بھی چھوا نہیں ہوتا۔ یہ لفظ حورالعین کی پاکیزگی اور طہارت کی طرف اشارہ کرتا ہے (42)۔

بغوی لکھتے ہیں کہ جنت میں ایک نور چمکے گا تو لوگ سمجھ جائیں گے کہ کوئی حور اپنے شوہر کے سامنے تبسم برلب ہوئی ہے (43)۔ کتنی خوبصورت روایت ہے کہ حور جب چلے گی اس پازیبیں اللہ کی تقدیس کر رہی ہوں گی، اس کی کلائیوں کے کنگن اور کڑے معبود کی عبدیت میں رطب اللسان ہوں گے، اس کے سینہ کا یاقوتی ہار مقدس مسکراہٹوں کی کیفیت پیدا کر رہا ہوگا۔ حوروں کے پاؤں میں سونے کے نعلین ہوں گے، تسمے موتیوں سے بنے ہوں گے، وہ خراماں خراماں جب قدم اٹھائیں گی تو ہر سو تمجید، تقدیس اور تسبیح کی میٹھی اور سریلی آوازیں ارزاں ہوں گی، سبحان اللہ (44)۔

❁❁❁❁❁

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿٢٥﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿٢٦﴾

''وہ اس میں نہ کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ گناہوں میں ڈوبی باتیں، بجز اس کے کہ وہ ''سلام ہی سلام'' سنیں گے''۔

لَا: نہ
يَسْمَعُوْنَ: سنیں گے
فِيْهَا: اس میں
لَغْوًا: کوئی لغو بات
وَّلَا: اور نہ
تَاْثِيْمًا: گناہ کی بات
اِلَّا: سوائے اس کے
قِيْلًا: کہا جائے گا
سَلٰمًا: سلام
سَلٰمًا: اور سلام

''لغو'' کا لغوی مفہوم

تفصیل جاننے کے آغاز ہی میں یہ ذہن میں رکھ لیا جائے کہ ''لغو اور لغت'' دونوں کا مادہ ایک ہے۔ ''اللغا'' پرندوں کی آوازیں جو باہم مل کر چہچہا بن جائے چونکہ یہ بعید از فہم ہوتی ہیں اور زبانیں بھی مختلف معاشروں میں متعارب الفہم نہیں ہوتیں بعید از فہم ہوتیں ہیں اس لئے انہیں ''اللغہ'' کہہ دیا جاتا ہے۔ وہ باتیں جو کسی گنتی میں شمار نہ ہوں ''لغو'' ہوتی ہیں۔ ''لاغیہ'' بے ہودہ بات کو کہہ دیتے ہیں۔ جو کوئی دعویٰ نامراد ہو جائے اور بات بے منزل ہو جائے تو وہ ''لغو'' ہو جاتی ہے۔ اشیاء کے خریدنے میں جو بولیاں بولی جاتیں ہیں وہ ''لغویات'' کہلاتی ہیں۔ اس لفظ کا معنیٰ پھینکنا بھی ہوتا ہے، ناقابل توجہ کام ''لغو'' ہوتا ہے۔ یوں ہی ناقابل اعتنا جیز ''لغو'' ہوتی ہے۔ شورڈ النا بھی اس لفظ کا معنیٰ ہوتا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ ہر وہ بات، وہ عمل، وہ نظریہ اور وہ عقیدہ جو قرآن سے دور کرے وہ ''لغو'' ہے۔ ہر وقت کسی ایک ہی بات کے پیچھے پڑے رہنا یہ بھی ''لغویات'' میں سے ہے۔

(1) ایسی بات جو شریف انسانوں کے لائق نہ ہو
(2) بے ہودہ باتیں

(3) ایسی باتیں جن میں آواز ہی آواز ہو

(4) ایسی بات جو سوچے سمجھے بغیر کی جائے

(5) ایسا کام جو بے وزن ہو اور فضول ہو

(6) متشکک کام جس میں معقول منصوبہ بندی نہ ہو

آیتوں کا نفس مفہوم

مقربون، عصر رسالت کے محبوبین اور سابقون جنت میں لغو اور بے ہودہ باتیں نہیں سنیں گے۔ وہاں جھوٹ، افترا، حسد اور قدم کشی کی لعنتیں نہیں ہوں گی۔ غیبت، تمسخر اور تلخ کلامی کی ظلمتیں نہیں ہوں گی، وہاں جو کچھ ہوگا بے بہا ہوگا، لطف و کرم ہوگا، خوبصورتی، متانت اور ادب کے نور میں ہوگا، وہاں کوئی چیز دل دکھانے والی نہ ہوگی، وہاں جو بات کانوں میں رس گھولے گی وہ سلام ہی سلام ہوگا، یہ سلام اللہ کی طرف سے بھی ہوگا، اہل بہشت کا وظیفہ اور حمدیہ ترانہ بھی ہوگا۔ فرشتے بھی سلام سلام کریں گے، طیب روحوں کو اس کلمہ سے سکون ملے گا اور جنتی ایک دوسرے کو بھی اس روحی تحفہ سے نوازیں گے۔

❁❁❁❁❁

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ؕ ﴿۲۷﴾

فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ ﴿۲۸﴾

وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ ﴿۲۹﴾

وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۙ ﴿۳۰﴾

وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ ﴿۳۱﴾

وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ ﴿۳۲﴾

لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ ﴿۳۳﴾

(۲۷) اور داہنے ہاتھ والے کیا، کہنا داہنے ہاتھ والوں کا

(۲۸) وہ بے خار بیروں کے سائے میں مقیم

(۲۹) اور طلح درخت کی گھنیری چھاؤں میں

(۳۰) اور دور تک پھیلے ہوئے خنک سائے

(۳۱) اور پانی کی گرتی آبشاریں

(۳۲) اور لذیذ اور فراواں پھل

(۳۳) اور نہ ختم ہونے والے اور نہ کوئی ان سے منع کرنے والا

وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ؕ﴿۲۷﴾ فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ﴿۲۸﴾ وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ﴿۲۹﴾ وَّ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۙ﴿۳۰﴾ وَّ مَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ﴿۳۱﴾ وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ﴿۳۳﴾

''اور داہنے ہاتھ والے کیا، کہنا داہنے ہاتھ والوں کا، وہ بے خار بیروں کے سائے میں مقیم اور طلح درخت کی گھنیری چھاؤں میں اور دور تک پھیلے ہوئے خنک سائے اور پانی کی گرتی آبشاریں اور لذیذ اور فراواں پھلا ور نہ ختم ہونے والے اور نہ کوئی ان سے منع کرنے والا''۔

مقربین اور سابقین کے بعد سورۃ الواقعہ میں اہل بہشت کا دوسرا طبقہ خدائی نعمتوں اور انعامات کے تناظر میں اہل قرآن کے سامنے لایا جارہا ہے کہ یہ عظیم البخت لوگ اصحاب الیمین کہلائے گئے یعنی دائیں بازو والے۔ ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں اعزاز کے ساتھ دیئے جائیں گے۔ ان کی شان، پرہیز گاری، عظمت اور فضیلت لفظوں کے اچھوتے اسلوب میں ابھاری گئی ہے۔ کہا گیا کہ کیا شان ہے اصحاب الیمین کی اور ان کی علوشان کی حیرت ناکیاں کون لفظوں میں اتارے، وہ انتہائی معزز اور مکرم ہوں گے۔

بے کانٹا بیریاں

اللہ تعالیٰ نے اصحاب الیمین کے لئے جو پہلی نعمت گنی وہ بیریاں ہیں۔ بیری کا درخت تناور، شاخ دار اور ثمر افروز ہوتا ہے، اس کے پتے چھوٹے ہوتے ہیں لیکن باریک شاخوں کا زمردیں لباس بن کر چھائے ہوتے ہیں۔ سایہ خنک، ٹھنڈا اور سکون بخش ہوتا ہے (45)۔ اطبّاء کا کہنا ہے کہ اس درخت کے پتے، شاخیں اور ثمر صحت بخش ہوتا ہے۔ اس میں رطوبت ''ڈی ٹول'' کا کام کرتی ہے۔ میت کو غسل دیتے ہوئے بیری کے پتے پانی میں بھگو دیئے جاتے ہیں۔ ایسے پانی سے غسل کرنے سے ناقص اور مضر جراثیم خود بخود مرجاتے ہیں (46)۔ بیر کھانے میں لذیذ ہوتے ہیں، معدہ صاف کرتے ہیں، دماغ کے لئے مقوّی ہوتے ہیں اور بینائی کو تیز کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا کہ جنت کا کوئی پھل غلاف دار نہیں ہوگا (47)۔ بیری کا ذکر کرنے کی حکمت یہ کہ بیر پہلے ہلّے ہی میں کھالئے جاتے ہیں۔ یہ قلیل الغذا ہوتے ہیں اس لئے سمارٹ بنانے میں معاون ہوتے ہیں۔ بیری کو غذائی حوالے سے اہل جنت کے لئے بیان کرنے میں یہ حکمت بھی ہوسکتی ہے کہ بیری کے درخت کی عمر انتہائی طویل ہوتی ہے دو ہزار سال اور تین ہزار سال عمر ہونا معمولی بات ہے۔ اس درخت میں ایک ہی عیب ہے کہ یہ کانٹے دار ہوتا ہے لیکن جنتی بیریوں کو ''مَّخْضُوْد'' بھی کہا گیا ہے اور ''خضد'' کا معنیٰ دوہرا ہونا اور

مفردات

وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ: اور دائیں جانب والے
مَاۤ: کیا، کیا شان ہے
اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ: دائیں جانب والوں کی
فِیْ: میں
سِدْرٍ: بیری
مَّخْضُوْدٍ: بے جھاڑ، بغیر کانٹوں کے
وَّ: اور
طَلْحٍ: کیلے
مَّنْضُوْدٍ: تہ بہ تہ
وَّ ظِلٍّ: اور سائے
مَّمْدُوْدٍ: طولانی، لمبے
وَّ مَآءٍ: اور پانی
مَّسْكُوْبٍ: گرتا ہوا، آبشار نما، اوپر سے نیچے کی جانب رواں دواں
وَّ فَاكِهَةٍ: اور پھل
كَثِيْرَةٍ: بہت زیادہ
لَّا مَقْطُوْعَةٍ: نہ ختم ہوں
وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ: اور نہ کوئی روک ٹوک ہو

کانٹوں سے صاف ہونا ہوتا ہے۔

ایک بدّو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا اے اللہ کے رسول! قرآن نے نعمتوں میں ایک ایسے درخت کا نام لیا ہے جو تکلیف پہنچانے والا ہے۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جنت میں بیری کا درخت ہو گا جو تکلیف پہنچانے والے کانٹے رکھتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''سِدْرٍ'' پڑھتے ہو اور ''مَّخْضُوْدٍ'' نہیں پڑھتے اس لفظ کا معنیٰ ہی یہ ہے کہ جنت میں بیری ہو گی لیکن اس پر کانٹے نہیں ہوں گے (48)۔

ایک اور لطیف بات یہ ذہن میں رہے کہ دنیا میں بھی بیری کے کانٹے محل نعمت میں ہیں۔ بیری کے درخت پر جنات اور سانپ نہیں پہنچ سکتے اس لئے کہ سانپ کو ایک کانٹا چبھ جائے تو وہ زخمی ہو کر مر جاتا ہے۔ یہ بیر چونکہ کھلم کھلا ہوتا ہے اس لئے اللہ نے اس کی حفاظت کا ساماں کیا ہوا ہے۔ جنت میں تو خدمت گار فرشتے اور ولدان مخلدون ہوں گے۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ جنت میں ہر کانٹے کی جگہ بیروں کے گچھے ہوں گے۔ ''مَّخْضُوْدٍ'' کا معنیٰ تہ بہ تہ ہونے سے بھی لیا گیا ہے اور یہ بھی لکھا گیا ہے کہ بہتر قسم کے غذائی مواد جنتی بیروں میں ہوں گے (49)۔

تہ بہ تہ کیلوں کے گچھے

اصحاب الیمین کے لئے دوسری نعمت ''طلح'' پھل مذکور ہوا۔ بیضاوی وغیرہ مفسرین نے لکھا کہ اس کا مطلب کیلا ہوتا ہے اور ''مَّنْضُوْدٍ' نضد'' سے ہے اس کا معنیٰ تہ بہ تہ ہونا ہوتا ہے (50)۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

''بیری کے پتے چھوٹے ہوتے ہیں اور کیلے کے پتے بہت بڑے ہوتے ہیں جو تنے کو مکمل چھپائے ہوتے ہیں۔ کیلوں کی مٹھاس اسی رطوبت کی مرہون منت ہوتی ہے جو ان پتوں سے پھل تک پہنچتی ہے۔ رازی کہتے ہیں جنتی درختوں کے پتوں کی نوعا نوعی انہی دو قسم کے پتوں کے درمیان درمیان ہو گی۔ سورۃ الواقعہ نے سب کا گویا جمالیاتی نقشہ بیان کر دیا'' (51)۔

''طلح'' کا معنیٰ کیکر کا پیلا پھول بھی ہوتا ہے اور شجر ببول کا جھنڈ بھی ''طلح'' کہلاتا ہے۔ عربی میں شگوفہ کو بھی ''طلح'' کہہ دیتے ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ دیکھنے میں یہ جھاڑ ہوں گے لیکن ان کے ساتھ پھل ایسا لگے گا جو شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا (52)۔

ایک پھل ہے اسے ''ام غیلان'' کہتے ہیں، مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ ''ام غیلان'' کو ''طلح'' کی تعبیر دی گئی ہے۔ یہ میٹھے بیروں والا وہ درخت ہے جو پھل کے ساتھ ساتھ نفیس خوشبو بھی رکھتا ہو اور درخت پھلوں سے لدے پھندے ہوں گے، سبحان اللہ (53)۔

طویل سایوں کا راحت بخش نظام

اصحاب الیمین کے لئے تیسری، بڑی اور آرام بخش نعمت سایوں کا سکون آفریں نظام ہوگا۔ ''ظل'' کا معنیٰ سایہ ہے اور ''ممدود'' کا مطلب نہ ختم ہونے والا خنک سایہ ہے۔ بخاری اور مسلم کی ایک روایت کے مطابق طلوعِ فجر اور طلوعِ شمس کا درمیانی وقت جس طرح سہانا ہوتا ہے جنت میں بھی نسیم راحت ایسے ہی نواز رہی ہوگی (54)۔ مفسرین کے لئے یہ نکتہ حیرت ناک ہے کہ سورج نہ ہوگا تو درختوں کے سایے کیسے بنیں گے؟ اگر حیرت ناکیاں معقولات میں الجھ جائیں تو یہ سوچ بھی یقین بخش ہوسکتی ہے کہ جب تاجوں کا ایک ایک موتی سورج سے زیادہ درخشاں ہوگا تو جتنا تنوع روشنیوں کا ہوگا سایوں میں بھی زاویے حسن کی نئی نئی اور نوع بنوع قسمیں سائے پیدا کر رہی ہوں گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں سوار سو برس تک چلتا رہے گا مگر اس سائے کو عبور نہ کیا جا سکے گا'' (55)۔

یہ روایت بھی ہے کہ ''ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ'' سے مراد ستر ہزار سال کی مسافت ہے (56)۔

علامہ اسماعیل حقی نے ''ظل'' کا معنیٰ راحت بھی کیا ہے۔ عرب محاورہ ''ظل'' کا معنیٰ شفقت اور رحمت سے بھی کیا جاتا ہے (57)۔ واللہ اعلم

اچھلتے کودتے پانی کے چشمے

اصحاب الیمین کے لئے چوتھی بڑی نعمت ''مَآءٍ مَّسْكُوْبٍ'' ہوگا، جنت کے پانیوں کی کیفیت کیا ہو گی؟ ''مسکوب'' کا مادہ ''سکب'' ہے اس کے اصل معنیٰ اوپر سے نیچے گرنا ہوتا ہے۔ آبشاریں جس وقت پہاڑی چٹانوں سے نیچے گرتی ہیں تو لطیف منظر ہوتا ہے۔ صاف شفاف پانی مسلسل نیچے کی طرف رواں دواں، زور سے نیچے گر کر پانی کا اچھلنا اور موتیوں کی طرح پانی کا دور دور تک جانا، پھر پانی

کا خشک ذائقہ ہونا اور گرنے سے جو آوازیں پیدا ہوتی ہیں وہ زمزمے کانوں کے پردوں سے ٹکرا کر تقدیس کی علامت بن رہے ہوں گے۔ ممکن ہے پانی کو ''مسکوب'' کہنے کی حکمت یہ ہو کہ پانی محدود اور کم مقدار نہیں ہوگا کہ بو کے رسّی کا اہتمام کرنا پڑے۔ اس میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ جنتی جہاں اور جس طرح چاہیں گے آگے آگے وہ ہوں گے اور پیچھے پیچھے پانی ہوگا۔

اصحاب الیمین کے لئے پانچویں نعمت

سورۃ بتاتی ہے کہ پانچویں نعمت پھلوں کا کثیر ہونا ہے۔ دنیا میں تو پھل اپنے اپنے موسم میں ملتے ہیں اور وہ بھی محدود وقت کے لئے ملتے ہیں۔ کبھی کانٹے راہ میں حائل ہوتے ہیں کبھی ملکیتیں آڑے آتی ہیں۔ کبھی درخت اونچے ہوتے ہیں اور کبھی چڑیاں پھل کھا جاتی ہیں لیکن جنت میں فراواں پھل اہل بہشت کی تواضع میں حاضر ہوں گے، نہ کوئی روک اور نہ کوئی ٹوک، جب چاہو اللہ کی یہ نعمت میسر، وہاں رکاوٹیں مفقود ہوں گی اور نعمتیں بسہولت حاصل ہوں گی۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ ط
اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ لا
فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ لا
عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لا
لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ ط ع
ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾
وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾ ط

(۳۴) اور نگاہوں میں اٹھتے ہوئے پُرآسائش بچھونے

(۳۵) بے شک ہم نے بنایا ان حوروں کو حسن دے کر

(۳۶) پھر انہیں بنایا کہ کسی نے انہیں چھوا نہیں

(۳۷) دیکھنے میں ایک جیسی اداؤں میں بے مثال

(۳۸) یہ سب داہنے ہاتھ والوں کے لئے ہیں

(۳۹) پہلے لوگوں میں سے تو یہ ایک بڑی جماعت ہوں گے

(۴۰) اور پچھلوں میں بھی ایسے لوگوں کا ایک بڑا گروہ ہوگا

وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا
اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾

''اور نگاہوں میں اٹھتے ہوئے پُرآسائش بچھونے، بے شک ہم نے بنایا ان حوروں کو حسن دے کر، پھر انہیں بنایا کہ کسی نے انہیں چھوا نہیں، دیکھنے میں ایک جیسی اداؤں میں بے مثال، یہ سب داہنے ہاتھ والوں کے لیے ہیں، پہلے لوگوں میں سے تو یہ ایک بڑی جماعت ہوں گے اور پچھلوں میں بھی ایسے لوگوں کا ایک بڑا گروہ ہوگا''۔

''فروش'' کا لفظ مفسرین نے دو معنوں میں لیا ہے: ایک تو بچھونا اور دوسرا ''فرش'' سے بیویاں مراد لی گئی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اہل بہشت کے سکون اور آرام کے لئے نفیس بستر ہوں گے جن کا صرف ظاہر ہی آراستہ اور دل آویز نہیں ہوگا بلکہ باطن بھی خوشبوؤں کی کشش رکھتا ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''دو بستروں کے درمیان اتنا فرق ہوگا جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے''(58)۔

''مرفوعہ'' ہونے کا معنیٰ بلند ہونا ہے، کہا گیا ہے کہ اگر اوپر والا بستر نیچے گرایا جائے تو دوسری قرارگاہ تک پہنچتے پہنچتے سو برس لگ جائیں (59)۔

''فرش'' جنتی جوڑوں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ اس صورت میں ''مرفوعہ'' ہونے کا مطلب عورتوں اور جوڑوں کا نفیس اور فضیلت والا ہونا ہے۔

اگلی آیت میں کہا گیا کہ ہم نے اصحٰبُ الیمین کے لئے خوبصورت بیویاں تیار کر رکھی ہیں۔

مقاتل کی روایت سے پتہ چلتا ہے (60) کہ یہ جنت کی حوریں ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا والی ہی بیویاں مراد ہوں اور کہا یہ گیا ہو کہ ہم انہیں نئی خلقت، تازہ شباب اور بہار بداماں اُبھار عطا کریں گے۔ ان کے باکرہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کنواریاں ہوں گی۔ صرف یہی نہیں وہ ہمہ دم کنواریاں رہیں گی جیسے انہیں کسی نے چھوا ہی نہ ہو۔ بیویاں اور حوریں اس لئے مراد ہوں گی کہ بیویاں تو مومن ہونے ہی کی صورت میں میسر ہوں گے اور حوریں اہل بہشت کی دلبستگی کا ساماں رکھیں گی تاہم یہ معنیٰ سمجھ لیا جائے جنت تکان یا بوریت یا تنہائی کا محصور خانہ نہیں وہاں خوشیاں، مسرتیں، سہولتیں اور عطائیں طبع زاد ہوں گی۔ رحمت ہی رحمت، کرم ہی کرم اور برکت ہی برکت اور جمالیاتی اقدار کا عجیب الفطرت نگارخانہ جہاں حسن برسے گا، جمال ٹپکے گا اور محبوبیت رواں دواں ہو کر بھڑک رہی ہوگی۔

مفردات

وَّفُرُشٍ: اور بچھونے
مَّرْفُوْعَةٍ: اونچے اور بلند
اِنَّاۤ: بے شک ہم
اَنْشَاْنٰهُنَّ: ہم نے اٹھایا انہیں، ہم نے پیدا کیا انہیں، یا ہم نے ان کی فطرت میں صناعی رکھی
اِنْشَآءً: اچھی اٹھان
فَجَعَلْنٰهُنَّ: پھر بنایا ہم نے انہیں
اَبْكَارًا: کنواریاں
عُرُبًا: پیار دلانے والیاں، سہل الادا، عربوں کی بے تکلفی لئے
اَتْرَابًا: ہم عمر، ہم سن
لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ: دائیں بازو والوں کے لئے
ثُلَّةٌ: بڑی جماعت
مِّنَ: سے
الْاَوَّلِيْنَ: پہلے لوگ
وَثُلَّةٌ: اور بڑا گروہ
مِّنَ: سے
الْاٰخِرِيْنَ: پچھلوں

''اِنْشَآءً'' کا معنیٰ یہی ہے کہ وہاں گل معشوقیت کی کوئی کلی پژمردہ نہ ہوگی۔ ارغوانی اور زعفرانی آرزوؤں کی معراج ہو رہی ہوگی۔ جنتی جوڑوں کی یہ صفت بھی بتائی گئی کہ وہ ہم سن ہونے کا اعزاز رکھیں گے۔ ''اتراب 'ترب'' کی جمع ہے جس کا معنیٰ مثل اور مانند ہونا ہوتا ہے۔ پسلیاں ''اتراب'' کہلاتی ہیں، اس لئے کہ ان میں کمال مشابہت ہوتی ہے۔ عمر کا کم اور زیادہ ہونا طلب اور چاہت اور جذبات اور خواہشات میں سکون، ٹھہراؤ اور وقفے لے آتا ہے۔ قرآن مجید نے ہم سن ہونے کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا کہ یہاں فصل محبت یکساں گلکاریاں کرے گی (61)۔

جنتی بیویوں کو ''عروب'' کی تعبیر سے بھی نوازا گیا کہ معنیٰ کھل کر سمجھ لیا جائے کہ جنتی بیویاں گنگی نہیں ہوں گی، نخریلی نہیں ہوں گی اور تکبر ان سے دور ہوگا اور اہل جنت کو نوازنے میں سخی ہوں گی جیسے عرب اپنے جیسا کسی کو فصیح و بلیغ نہیں سمجھتے جنتی عورتیں بھی محبت نواز ہوں گی، محبوبوں کو نخریلی اداؤں سے دور نہیں پھینکیں گی وہ خوش گفتار ہوں گی۔ ان کی زبان روحوں کو کھینچے گی۔ لہجے دل میں ہل چل پیدا کریں گے۔ ''اعرب'' ہونا فطری سادگی کی مرقع کاری کا دوسرا نام ہے، جنتی حوریں دلبستگی کے یہ سارے لوازم رکھتی ہوں گی۔

''عُرُبًا'' پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بھی موجود ہے کہ آپ نے فرمایا: ''عربا'' کا مطلب ہے اہل جنت کی زباں عربی ہوگی۔ اہل جنت کی عمر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ وہ تینتیس، تینتیس سال کے ہوں گے۔ ساٹھ ساٹھ ہاتھ لمبے، برہنہ بدن، شفاف رُو، بے رِیش، بھڑکتے رنگ اور گھونگریالے بال، جب جنتی لباس پہنیں گے شہزادے نہیں ملک الملوک محسوس ہوں گے، سبحان اللہ (62)۔

اس خطبہ کے آخر میں کہا گیا کہ یہ چھ صفات سے متصف اور نعمتوں سے فیض یاب پہلوں میں بھی کثیر ہوں گے اور بعد میں آنے والوں میں بھی کثیر ہوں گے۔

❁❁❁❁❁

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ؕ ﴿۴۱﴾
فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ۙ ﴿۴۲﴾
وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۙ ﴿۴۳﴾
لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿۴۴﴾
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ۚ ﴿۴۵﴾
وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ۚ ﴿۴۶﴾
وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۙ ﴿۴۷﴾

(۴۱) اور بائیں ہاتھ والے، کیسے بُرے ہیں بائیں ہاتھ والے

(۴۲) وہ زہر آلودہ ہواؤں اور کھولتے پانی کے درمیان ہوں گے

(۴۳) اور سخت کالا دھواں انہیں گھیرے ہوگا

(۴۴) نہ اس میں ٹھنڈک اور نہ اس میں آسودگی

(۴۵) بے شک وہ اس سے پہلے بڑا اترایا کرتے تھے

(۴۶) اور بڑے بڑے گناہوں پر مُصرّ رہتے

(۴۷) اور کہا کرتے تھے کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیوں کا چورا بن جائیں گے ہمیں پھر سے زندہ کیا جائے گا

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ؕ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ۙ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ۙ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ۚ﴿۴۵﴾

''اور بائیں ہاتھ والے، کیسے بُرے ہیں بائیں ہاتھ والے، وہ زہر آلودہ ہواؤں اور کھولتے پانی کے درمیان ہوں گے اور سخت کالا دھواں انہیں گھیرے ہوگا، نہ اس میں ٹھنڈک اور نہ اس میں آسودگی، بے شک وہ اس سے پہلے بڑا اترایا کرتے تھے''۔

یہاں سے تیسرے گروہ کا بیان شروع ہوتا ہے وہ جو دنیا میں سرکشی کے ساتھ زندگی گزارتے رہے۔ کفار، مشرکین اور بدطینت اور عیاش لوگ، قرآن مجید کے مطابق یہی وہ لوگ ہوں گے کہ ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے اور انہیں کھولتے ہوئے پانی اور جھلسا جلا دینے والی ہوا میں پراگندہ کر کے ذلیل اور رسوا کیا جائے گا۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں (63):

''سَمُوْمٍ'' کا مطلب ایسی گرم ہوا ہے جو جھلسا یا جلا دیتی ہے۔

زمخشری کہتے ہیں ایسی ہوا جو مسامات کے اندر داخل ہو جائے اور جلا دے۔

علامہ زبیدی لکھتے ہیں گرم لو جو جلا دے اور جسم کے اندر بیماریاں پیدا کرے وہ سموم ہوتی ہے۔ ویسے بھی زہر کو ''سم'' کہتے ہیں۔ گندے جراثیموں سے اٹی ہوئی زہر آلود ہوا ''سَمُوْمٍ'' ہو گی (64)۔

''حَمِیْمٍ'' کھولتے اور گرم پانی کو کہتے ہیں اور ''ظِلٍّ'' سے یہاں ٹھنڈا سایہ مراد نہیں بلکہ ایسا خوفناک، جلا دینے اور گھبراہٹ طاری کر دینے والا دھواں مراد ہے جو بدنوں کو لخت لخت کر دے گا (65)۔

عبرتناک سزاؤں کا خوفناک مقدمہ قرآن مجید بیان کر رہا ہے۔ سیاہ اور گرم دھواں سائبان کی طرح چھایا ہوگا جس میں برودت اور ٹھنڈک نام کی بھی نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کے اندر کوئی منفعت عزت ہو گی۔ عربوں کی عادت ہے کہ وہ جب کوئی غیر مفید چیز بیان میں لائیں تو کہتے ہیں ''لا کرامة فیه'' یہاں دھویں کے لئے کہا گیا کہ اس میں کوئی کرم نہ ہوگا یعنی یہ گلا گھونٹنے والا دھواں کوئی اچھی تاریخ نہ رکھے گا اس میں ذلت ہی ذلت ہوگی (66)۔

قرآن مجید نے گفتگو کا رخ پھیر دیا اور ان کا گناہ بتایا کہ وہ کس جرم کی پاداش میں ظلمتوں کی دبیز ذلت کا شکار ہو جائیں گے۔ سورۃ الواقعہ بتاتی ہے کہ ''اتراف'' ان کے قدموں کی زنجیر بن جائے گی۔

''اتراف'' کو ابن منظور لسان العرب میں کھولتے ہیں (67)۔

مفردات

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ: اور بائیں جانب والے
مَآ: کیا ہیں؟
اَصْحٰبُ الشِّمَالِ: بائیں جانب والے
فِیْ: بیچ، میں
سَمُوْمٍ: گرم لُو
وَّحَمِیْمٍ: اور گرم پانی میں
وَّظِلٍّ: اور سایہ
مِّنْ: سے
یَّحْمُوْمٍ: جلتے ہوئے، کھولتے ہوئے
لَّا بَارِدٍ: نہ ٹھنڈا
وَّلَا کَرِیْمٍ: اور نہ عزت افزا
اِنَّهُمْ: بے شک وہ
کَانُوْا: تھے
قَبْلَ: پہلے
ذٰلِكَ: اس سے
مُتْرَفِیْنَ: خوشحال، دولت مند، عیاش

''الترفه'' کا معنیٰ عیش میں غیر ضروری فراخی ہوتی ہے۔ ایسا شخص جس کو خوشحالی اور عیش کے تمام وسائل میسر ہو جائیں وہ ''مترف'' ہوتا ہے لیکن قرآن مجید نے ''مُتْرَفِيْنَ'' کے جس طبقہ کی بات کی ہے وہ لذات اور شہوات میں ڈوبے ہوئے لوگ ہیں۔ یہ بھی ائمہ لغت نے لکھا کہ وہ بدمست، عیاش لیڈر جسے ٹوکا جائے تو وہ ظلم پر اتر آئے بنوامیہ کے اکثر حاکم ''مُتْرَفِيْنَ'' میں سے تھے(68)۔

اسلامی نظام کو ختم کرنے والا عیاش گروہ مترفین ہی کا گروہ ہوتا ہے۔

❁❁❁❁❁

وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿٤٦﴾ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٤٧﴾

''اور بڑے بڑے گناہوں پر مُصرّ رہتے اور کہا کرتے تھے کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیوں کا چورا بن جائیں گے ہمیں پھر سے زندہ کیا جائے گا''۔

اصحاب الشمال کا بدقسمت اور بدنصیب گروہ صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ بدمست ہو کر عیاشیوں میں زندگی گزارتے ہیں، متکبر اتنے ہوتے ہیں کہ ذرّہ سا بھی کسی معاملہ میں روک ڈالو تو ظلم اور تشدد پر اتر آتے ہیں۔ یہ لوگ بڑے بڑے گناہوں پر اصرار کرتے ہیں۔ ''حنث'' ہر قسم کے بڑے گناہ کو کہہ دیتے ہیں لیکن بعض مواقع پر یہ عہد شکنی، حلف شکنی اور قسم شکنی کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ بعض مفسرین نے ''حنث العظیم'' کا معنیٰ شرک لیا ہے۔ انبیاء کی تکذیب اور خود جھوٹ کی ظلمت میں پڑ جانا بھی ''حنث'' ہے۔

ان لوگوں کی شامت اعمال کی تیسری جہت قرآن نے یہ گنی ہے کہ موت کے بعد حیات پر یقین اور ایمان نہیں رکھتے۔ یہ حیرانگی یا تمسخر سے کہتے ہیں کہ کیا ہم جب مر کر ہڈیاں اور مٹی بن جائیں گے تو کیا ہم کو قبروں سے پھر اٹھا لیا جائے گا۔ اصحاب الشمال کے تینوں گناہ دراصل دین کے تین اصولوں سے انکار ہے:

دین کی رہبری سے انکار ان کو عیاش بنا دیتا ہے۔

بڑے گناہوں پر اصرار انہیں ظالم، جری اور بدمست بنا دیتا ہے

اور قیامت سے انکار ان کی زندگی سے ہر قسم کی لطافت کو ختم کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

مفردات

وَكَانُوْا: اور تھے

يُصِرُّوْنَ: اصرار کرتے

عَلَى: پر

الْحِنْثِ: بڑے بڑے گناہ

الْعَظِيْمِ: بڑے

وَكَانُوْا: اور تھے

يَقُوْلُوْنَ: کہتے

اَئِذَا: کہا جب

مِتْنَا: ہم مر جائیں گے

وَكُنَّا: اور ہوں گے ہم

تُرَابًا: مٹی، خاک

وَّعِظَامًا: اور ہڈیاں

ءَاِنَّا: کیا ہم یقینی امر ہے

لَمَبْعُوْثُوْنَ: کہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے

اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾
قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾
لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾
ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ۙ
لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ۙ
فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ۚ

(۴۸) بھلا ہمارے پہلے باپ دادوں کو بھی

(۴۹) آپ فرما دیجئے! بے شک پہلوں اور پچھلوں کو

(۵۰) ضرور جمع کیا جائے گا ایک معیّن دن کی اجل کے ساتھ

(۵۱) پھر تمہیں اے گمراہو جھٹلانے والو

(۵۲) تھوہر کے زہریلے درخت سے ضرور کچھ کھانا ہے

(۵۳) پھر اسی سے پیٹ بھرنے ہیں

اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾

''بھلا ہمارے پہلے باپ دادوں کو بھی، آپ فرما دیجئے! بے شک پہلوں اور پچھلوں کو، ضرور جمع کیا جائے گا ایک معیّن دن کی اجل کے ساتھ''۔

انکار حق کی کیفیت مزید کھولی جا رہی ہے کہ ''اصحاب الشمال'' اظہار تعجب کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہمارے پہلے بزرگ آباؤ اجداد جن کا کوئی نام ونشان باقی نہیں رہا کیا انہیں بھی جمع کر دیا جائے گا، وہ قبروں سے اٹھ کر سامنے آجائیں گے۔ مٹی اور غبار سے بوسیدہ، ہڈیوں میں جان کیسے پڑ جائے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا: محبوب ان سے برملا کہہ دو کہ تمہارے بہانے، ٹسوے اور فلسفے کوئی معنیٰ نہیں رکھتے تم بھی اور تمہارے آباؤ اجداد بھی جامۂ حیات پہن کر احتساب کے کٹہرے میں کھڑے کر دیئے جائیں گے، نہ صرف وہ بلکہ تمام اولین اور آخرین سب معین دن کی وعدہ گاہ میں جمع ہوں گے۔

''اِلٰى مِيْقَاتِ'' میں ''اِلٰى'' لانے کی حکمت یہ ہے کہ قیامت اس جہاں کے آخر میں واقع ہوگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں ''اِلٰى'' لام کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ بہت سارے مقامات پر ''لمیقات'' آیا ہے(69)۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ ۚ

''پھر تمہیں اے گمراہو جھٹلانے والو، تھوہر کے زہریلے درخت سے ضرور کچھ کھانا ہے، پھر اسی سے پیٹ بھرنے ہیں''۔

آیت زوردار آواز کے ساتھ مکذبین اور ضالّین، مترفین اور عیش پرستوں کو جھنجھوڑتی ہے کہ جھوٹ اور گمراہی کے دھچکوں نے تمہیں اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔ چراغ کو طوفانوں سے بچایا جا سکتا ہے لیکن اس کے اندر ہی تیل نہ ہو تو اسے روشن نہیں کیا جا سکتا اور زندگی کی دیواریں اپنے ہی بوجھ سے گرتی ہیں۔ جھوٹے لوگوں کے لئے اپنے وجود ہی کا عذاب کافی ہوتا ہے۔ سانسیں خود ہی رک کر موت کا اعلان کرتی ہیں۔ جھوٹے لوگ اپنی تباہیوں کے طبل خود بجاتے ہیں۔ قرآن مجید آخرت میں ان کی بے بسیوں اور زلتوں کا نقشہ کھینچتا ہے اور کہتا ہے کہ ان ذلیل لوگوں کی کوئی عزت نہ ہوگی اور ان کو کھانے میں زقوم کا درخت اور اس کے پتے ملیں گے۔ ان کے پیٹوں میں یہی بدبودار خوراک پہنچے گی۔

مفردات

اَوَ: یا

اٰبَآؤُنَا: ہمارے آباؤ اجداد

الْاَوَّلُوْنَ: پہلے گزر جانے والے

قُلْ: فرما دو

اِنَّ:

الْاَوَّلِيْنَ: سب پہلے

وَالْاٰخِرِيْنَ: اور آخرین

لَمَجْمُوْعُوْنَ: ضرور جمع ہونے والے ہیں

اِلٰى: میں، کی طرف، خاص جگہ

مِيْقَاتِ: معین دن

يَوْمٍ: دن

مَّعْلُوْمٍ: معلوم دن

ثُمَّ: پھر

اِنَّكُمْ: بے شک تم لوگ

اَيُّهَا: اے

الضَّآلُّوْنَ: گمراہ لوگو

الْمُكَذِّبُوْنَ: جھٹلانے والے، تکذیب کرنے والو

لَاٰكِلُوْنَ: کھانے والے

مِنْ: سے

شَجَرٍ: درخت

مِّنْ: سے

زَقُّوْمٍ: زقوم کا درخت، بدذائقہ، بیماریاں پیدا کرنے والا بوٹا

فَمَالِـُٔوْنَ: تو پیٹ بھرنے والے

مِنْهَا: اس میں سے

الْبُطُوْنَ: پیٹوں کو

زقّوم درخت کیا ہے؟

زبیدی حنفی لکھتے ہیں (70):

''یہ ایک جنگلی پودا ہوتا ہے۔ اس کے پتے چھوٹے اور گول ہوتے ہیں۔ بدنما بدشکل اور بدذائقہ درخت سے ایک شیرہ نکلتا ہے جو جہاں لگے خارش، بیماری اور زخم پیدا کرتا ہے۔ اس درخت کے پتوں پر سوئیوں کی طرح تین تین کانٹے ہوتے ہیں اور جہاں یہ کانٹے چبھیں وہاں اذیت ناک ناسور پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے تنے میں موٹی موٹی گانٹھیں ہوتی ہیں اور اس کے خوشوں کا خول اس طرح ہوتا ہے جیسے سانپ کا پھن ہو، ہندوستانی زبان میں اسے ناگ پھنی تھوہر کہتے ہیں''۔

ثعلب کہتے ہیں ''الزقوم'' ہر اس کھانے کو کہہ دیتے ہیں جو زہریلا اور قاتل ہو (71)۔

قرآن مجید نے کہا کہ یہ ایسا درخت ہوتا ہے جو جہنم کی تہ سے اگتا ہے۔ راغب کی تحقیق میں کسی ناگوار چیز کو نگلنا ''زقوم'' ہے۔ اسے قرآن نے ''شجر ملعونہ'' سے بھی تعبیر کیا، جہنمیوں کے پیٹ اسی سے بھریں گے (72)۔

مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ یہ دوزخ کی آگ میں اُگنے والا درخت ہے جس میں اتنی جلن ہے کہ اس سے ایک لیس دار مادہ نکلتا ہے جو جلا دینے والا محسوس ہوتا ہے، اسے دوزخی آگ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے (73)۔

❁❁❁❁❁

فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ ج
فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ ط
هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾ ط
نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾
اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ط
ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

(۵۴) پھر اس کے اوپر وہ کھولتا ہوا پانی پئیں گے

(۵۵) تو وہ پیاسے اونٹ کی طرح پئیں گے

(۵۶) قیامت کے دن یہ ان کی مہمان نوازی ہوگی

(۵۷) ہم نے تمہیں پیدا کیا تو پھر تم کیوں نہیں سچائی کی طرف آئے

(۵۸) تو تم بتلاؤ تو سہی جو نطفہ تم رحم میں ڈالتے ہو

(۵۹) کیا تم اُسے پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں

فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾

''پھر اس کے اوپر وہ کھولتا ہوا پانی پئیں گے، تو وہ پیاسے اونٹ کی طرح پئیں گے، قیامت کے دن یہ ان کی مہمان نوازی ہوگی''۔

آیت میں ''حمیم'' اور ''ھیم'' دونوں لفظ غور وفکر کا تقاضا کرتے ہیں۔ ''حمیم'' جگری یار کو کہتے ہیں، عشق اور محبت آگ کی طرح جلاتی ہے اس لئے کہا گیا کہ ''حمیم'' وہ عاشق جو کسی چیز کے عشق میں بہت آگے بڑھ جائے۔ نہانے کی جگہ کو بھی حمام کہتے ہیں اس لئے کہ وہاں گرم پانی مل جاتا ہے۔ راغب نے ''حمیم'' کا معنیٰ کھولتا ہوا پانی کیا ہے۔

پیٹ بھرنا اگر دیوانگی تک پہنچ جائے اور بندہ یہ بھی نہ دیکھے کہ اسے پانی ملے گا یا نہ ملے گا اور پھر اگر اسے وہ ملے تو بھی کھولتا ہوا پانی ہوگا تو یہ تین کیفیتیں ہیں جس پر دلالت کرنے والے کلمات ہیں۔

دوزخی بھوکے ہو کر زقوم درخت پر پڑ جائیں گے اور اسے بھی کھانے میں اتنے دیوانے ہوں گے کہ ان کی آنتیں ریزہ ریزہ ہو کر گر رہی ہوں گی لیکن زقوم خوری کی دیوانگی ختم نہیں ہوگی اور پھر اوپر سے جو پانی ملے گا وہ آگ کی طرح جلانے والا ہوگا۔

قرآن مجید نے ان کے کھانے پینے کے انداز میں جو حریصانہ جنوں ہوگا اسے بھی بیان کیا کہ وہ بے عزت قسم کے لوگ ہوں گے جیسے کسی شریفانہ محفل میں کبھی وہ گئے ہی نہ ہوں، پیاسے اونٹ کی طرح پانی غپ غپ پینے کی کوشش کریں گے لیکن آتشیں پانی انہیں راکھ کر دے گا۔

''الْهِيْمِ'' جمع ہے ''اھیم'' کی اس کا مؤنث ''ھیمیٰ'' ہوتا ہے، یہ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو بیماری کی وجہ سے اتنا پانی پیئے کہ پیاس نہ بجھے۔ ریتلی زمین جو کبھی سیراب نہ ہو وہ بھی ''ھیمی'' ہوتی ہے (74)۔ آگے قرآن مجید کی تعریض سخت ہے کہ قیامت کے دن ان بدبختوں کی یہ مہمان نوازی ہوگی۔

❁❁❁❁❁

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

''ہم نے تمہیں پیدا کیا تو پھر تم کیوں نہیں سچائی کی طرف آئے، تو تم بتلاؤ تو سہی جو نطفہ تم رحم میں ڈالتے ہو، کیا تم اُسے پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں''۔

سرزمین شرک پر ایک مشرک نے بوسیدہ ہڈی ہاتھ میں لی اور کہا کون ان بوسیدہ ہڈیوں کو دوبارہ

مفردات

فَشٰرِبُوْنَ: پھر پینے والے
عَلَيْهِ: اس پر، اس کے اوپر یعنی اس کے بعد
مِنَ: سے
الْحَمِيْمِ: کھولتا ہوا پانی
فَشٰرِبُوْنَ: پھر پینے والے ہوں گے
شُرْبَ: پینا
الْهِيْمِ: پیاسے اونٹ کا سا
هٰذَا: یہ
نُزُلُهُمْ: ان کی مہمان نوازی
يَوْمَ: دن
الدِّيْنِ: جزا، قیامت

نَحْنُ: ہم
خَلَقْنٰكُمْ: پیدا کیا ہم نے تم کو
فَلَوْلَا: پھر کیوں نہیں
تُصَدِّقُوْنَ: تم سچ مانتے ہو
اَفَرَءَيْتُمْ: کیا دیکھا تم نے
مَّا: جو
تُمْنُوْنَ: منی گراتے ہو
ءَاَنْتُمْ: کیا تم
تَخْلُقُوْنَهٗٓ: پیدا کرتے ہو اسے
اَمْ: یا
نَحْنُ: ہم
الْخٰلِقُوْنَ: پیدا کرنے والے ہیں

زندہ کرے گا۔قرآن مجید نے کہا: ہاں وہی زندگی دینے والا ہے جس نے پہلی مرتبہ تخلیق سے نوازا تھا۔

ذرا اپنے ذہن پر زور ڈالو اور سوچ کر بتاؤ وہ منی کا قطرہ جو شکم مادر میں ٹپکایا جاتا ہے اس کے خزانے میں ہزار ہا باریک اور لطیف جرثوموں کو کون شامل کرتا ہے۔اس میں عمل تلقیح کے مراحل کون پیدا کرتا ہے اور پھر اس دور تخلیق میں کسی ایک بیضہ کا انتخاب کون کرتا ہے جو عورت کے بیضہ سے ٹکرا کر گوہر نشات میں ڈھل جاتا ہے، پھر رحم میں تغیرات کی صنعت جلوہ گر ہوتی ہے۔حیات اسی تاریک گھر میں مسکرانے لگ جاتی ہے۔اعضا نمودار ہونے لگتے ہیں۔

پیر کرم شاہ الازہری خوب لکھتے ہیں (75):

> ”تخلیق کی کہانی جب ترتیب پاتی ہے وہی اندھا بہرہ بے جان جرثومہ نو ماہ کے بعد جب باہر جلوہ زنی کرتا ہے تو اس کا گول مٹول چاند سا چہرہ اور اس کے خدوخال دل کو موہنے لگ جاتے ہیں۔سوچنے والی بات یہ ہوتی ہے اس قطرۂ آب کو یہ روپ اور رنگ کس نے مرحمت فرمایا، یہ چمکتی ہوئی آنکھیں، یہ ہونٹ، یہ زبان، یہ ناک، یہ کان اور دوسری خوبیاں کس کا انعام ہوتا ہے۔تمہاری بے بسیوں کی اندھی فطرت تخلیق کے اس نظارے پر ذرہ بھر بھی قادر ہو سکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، مان لو اس کو مان لو، ماننا ہی تمہاری سچائی کی دلیل بن جائے گی۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِيْنَ ﴿٦٠﴾
عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾
وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْ لَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾

(٦٠) اور ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقرر کر دیا ہے اور ہمیں اُس سے کون پیچھے ہٹانے والا ہے

(٦١) کہ تم جیسوں کی ہم تبدیلی کر دیں اور تمہیں ایسی خلقت بخش دیں جس کی تمہیں خبر نہ ہو

(٦٢) اور تم تخلیق کے اس پہلے مرحلے کو تو بخوبی جان چکے ہو تو پھر تمہاری سوچ صحیح کام کیوں نہیں کرتی

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٦٠﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَ نُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْ لَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾

''اور ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقرر کر دیا ہے اور ہمیں اُس سے کون پیچھے ہٹانے والا ہے، کہ تم جیسوں کی ہم تبدیلی کر دیں اور تمہیں ایسی خلقت بخش دیں جس کی تمہیں خبر نہ ہو اور تم تخلیق کے اس پہلے مرحلے کو تو بخوبی جان چکے ہو تو پھر تمہاری سوچ صحیح کام کیوں نہیں کرتی''۔

سورۃ الواقعہ کی یہ آیات اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تقدیر کی بات کرتی ہیں۔ کوئی شخص اور کوئی نفس اللہ پر غالب نہیں آ سکتا۔ اسی نے نفوسِ زندہ پر موت کا نظام معین کیا ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، کسی کا اقتدار کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو اور کسی کی محبوبیت کتنی ہی گہری اور مؤثر کیوں نہ ہو، ایک مرتبہ اسے موت کے آہنی پنجوں کی گرفت میں آنا ہے۔ اللہ کے فیصلوں کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔ اس معاملے میں اللہ سے کوئی سبقت لے جانے والا نہیں۔ وہ کہتا ہے ہم نے یہ ''ہدیہ متبرکہ'' خود تقسیم کر رکھا ہے۔ یہ خوشبو خوشبو سوغات تقسیم ہونی ہی ہونی ہے۔ اسے نہ کوئی ٹال سکتا ہے اور نہ ہی کوئی خدا کو عاجز کر سکتا ہے۔ فرعونوں کی فرعونیت موت کے ہاتھوں ہی میں پستی ہے اور محبوبوں کی محبوبیت کا کڑا امتحان بھی موت ہی ہے۔ منصور رسولی نہ چڑھتے تو شہادت کا رنگ کون دیکھتا اور حسین کنبے سمیت نہ کٹتے تو جلوۂ کربلا کی معراج کون دیکھتا۔ اس پل پر ہر ایک نے چڑھنا ہے، کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ عمرِ جاوداں دینے پر قدرت نہیں رکھتا، اصل میں تو تبدیلیوں کا یہ انقلاب خلقت جدیدہ کے مزے تقسیم کرنے کے لئے ہے، یہ مشیت کا راز بھی ہے اور قدرت کا جلوہ بھی ہے۔

''اَمْثَالَكُمْ'' کہہ کر کلام کو بڑا لطیف کر دیا گیا ہے۔ جو اپنے جیسا کسی کو سمجھتے نہیں انہیں کہا جا رہا ہے تمہارے جیسے کتنوں کو ہم نے تبدیل کرنا ہے، ان کی نئی نشات کا ''تصویری حسن'' نئی تحریک کے ساتھ دیکھنے والوں کے سامنے لانا ہے۔ جمے ہوئے خون، پراگندہ نطفے، شکم مادر کی جرثومیت اور پیدائش کے رنگ کی پہلی نشأت تو تم نے دیکھ لی ہے تمہیں اگلے رنگ اور جلوے بھی دکھانے مقصود ہیں۔ تمہاری تذکیر کے لئے یہ نظام تقدیر ضروری ہے اور سوچنے کے لئے بھی یہ کہانی بڑی لذیذ ہے۔

آیت اصل میں انسانوں کو یہ سکھلاتی ہے کہ وہ مان لیں کہ وہ کسی ہاتھ میں مغلوب ہیں، مقدور ہیں، محصور ہیں اور ماسور ہیں، کوئی تمہاری تبدیلی اور تمہاری جگہ جانشینی کا عمل جاری کئے ہوئے ہے، اس

مفردات

نَحْنُ: ہم نے
قَدَّرْنَا: مقرر کیا ہم نے
بَيْنَكُمُ: تمہارے درمیان
الْمَوْتَ: موت کو
وَمَا: اور نہیں
نَحْنُ: ہم
بِمَسْبُوْقِيْنَ: ہارے ہوئے کہ ہم سے کوئی آگے نکل جائے
عَلٰٓى: اوپر
اَنْ: اس کے کہ
نُّبَدِّلَ: بدل دیں ہم
اَمْثَالَكُمْ: تمہارے جیسے لوگ
وَنُنْشِئَكُمْ: اور بنائیں تم کو
فِيْ: بیچ
مَا: اس کے جو
لَا تَعْلَمُوْنَ: تم نہیں مانتے
وَلَقَدْ: اور بے شک
عَلِمْتُمُ: تم نے جانا
النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى: پہلی پیدائش
فَلَوْ لَا: تو کیوں نہیں
تَذَكَّرُوْنَ: تم نصیحت پکڑتے

کی معرفت اور اسے جاننا ہی مذہب کی جان ہے۔ تمہیں دنیا سے دل لگانے کی ضرورت نہیں یہ تمہاری منزل نہیں تمہارے لئے گزرگاہ ہے۔ اس میں جو اسباب تم جوڑتے رہتے ہو وہ تمہاری اگلی تخلیق اور نشات کا حصہ نہیں، وہاں تو تم نے کوئی اور ہی چیز ہونا ہے۔ وہاں جسم اور روح کی نئی خصوصیات ہوں گی۔ تمہیں یہاں کی بنی ہوئی سونے کی اینٹیں وہاں کام نہیں آئیں گی اور یہاں کی زرّیں اور مخملیں پوشاکیں وہاں تم استعمال نہ کر پاؤ گے۔ جہاں جس دنیا گھر کے ساتھ تم نے دل لگا رکھا ہے یہ تو بس ایک چھوٹا سا سکونتی مسافر خانہ ہے اصل بود و باش تو آگے ایک اور گھر میں ہوگی۔ تم اسی عارضی، مصنوعی اور بے وقعت خیمے سے دل لگا بیٹھے ہو۔

آیات میں زور سارا تو ''فَلَوْ لَا تَذَكَّرُوْنَ'' پر ہے۔ تم سمجھتے کیوں نہیں ہو۔ ''لولا'' اصل میں کسی کام کی انجام دہی کی تحریک پیدا کرنے کے لئے ہوتا ہے اور بعض مفسرین نے لکھا کہ یہ ''لم'' اور ''لا'' کا مرکب ہے جو سوال اور نفی کا معنیٰ دیتا ہے۔ یہ اسلوب اس موقع پر آتا ہے جب کوئی شخص یا اشخاص کسی کام کے کرنے میں تساہل کریں تو ان سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ کیوں ایسا اور ویسا نہیں کرتے۔ **واللہ اعلم**

استدلال کی حقیقت اس حدیث سے سمجھی جا سکتی ہے(76):

> ''بہت ہی حیران کن معاملہ ہے اس شخص کو جو نشاۃ الاخریٰ کا انکار کرتا ہے لیکن نشاۃ الاولیٰ کو وہ دیکھتا ہے اور مانتا ہے لیکن زیادہ تعجب اس شخص پر ہے جو نشاۃ الاخریٰ پر ایمان رکھتا ہے لیکن اس کی ساری تگ و دو اس دنیا کے لئے ہوتی ہے''۔

❁❁❁❁❁

اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَ ﴿٦٣﴾ ط
ءَاَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الزّٰرِعُوۡنَ ﴿٦٤﴾
لَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنٰهُ حُطَامًا فَظَلۡتُمۡ تَفَكَّهُوۡنَ ﴿٦٥﴾
اِنَّا لَمُغۡرَمُوۡنَ ﴿٦٦﴾ لا
بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُوۡمُوۡنَ ﴿٦٧﴾

(٦٣) بھلا بتلاؤ کبھی غور کیا اس میں جو تم کاشت کرتے ہو

(٦٤) اُگنے والے پودوں کی نشوونما کیا تم کرتے ہو یا ہم اُگا کر کھیتی بناتے ہیں

(٦٥) ہم چاہیں تو اُسے روند کر پامال کر دیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ

(٦٦) کہ ہم پر چٹی پڑ گئی ہے

(٦٧) بلکہ ہم محروم رہ گئے ہیں

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿٦٣﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿٦٤﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٦٧﴾

''بھلا بتلاؤ کبھی غور کیا اس میں جو تم کاشت کرتے ہو، اُگنے والے پودوں کی نشوونما کیا تم کرتے ہو یا ہم اُگا کر کھیتی بناتے ہیں، ہم چاہیں تو اُسے روند کر پامال کر دیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ، کہ ہم پر چٹی پڑ گئی ہے، بلکہ ہم محروم رہ گئے ہیں''۔

زندگی اور موت سحر آفرین درختوں کی طرح ہیں، زندگی دانوں کی طرح اُگتی ہے اور موت بجلی کی طرح اچکتی ہے۔

سورۃ الواقعہ کا یہ تصویری مرقع انسانی ذہنوں سے ابھرنے والی حکمت و منطق کا رخ سرسبز کھیتوں، لہلہاتی فصلوں اور شاداب زمینوں کی طرف پھیر دیتا ہے اور مضبوط استدلال کے ساتھ بتلاتا ہے کہ وہ دانے جو اُگتے ہیں غذائیت کے اعتبار سے ہر انسان کا تعلق ان سے عملاً قائم ہوتا ہے۔ پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے کیا اس میں جسے تم کاشت کرتے ہو اس میں کبھی غور کیا ہے کہ تم دانے سے خوبصورت فصل پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہیں؟ حرث کاشت کرنا ہوتا ہے اور زراعت اُگانا ہوتا ہے۔ انسان صرف کاشت کرتا ہے اگانا اللہ کا کام ہے اور وہی انسانوں کی یہ غذائی ضروت پیدا کرتا ہے۔ وہی ہے جو ایک ایک شاخ پر خوشہ در خوشہ ہزاروں دانے پیدا کر دیتا ہے۔

تفسیر نمونہ کے مؤلفین نے خوب لکھا ہے (77):

''ماہرین کہتے ہیں کہ وہ ترتیبیں جو گھاس کی ساخت اور اس کے ڈھانچے میں نظر آتی ہیں ایک ایسے عظیم صنعتی شہر کی ترتیبوں کی طرح ہیں جس میں متعدد کارخانے ہوں، وہ ہستی جو یہ نظارے دکھلاتی ہے کیا وہ مُردوں کو زندہ کرنے سے عاجز ہو سکتی ہے؟''

قرآن مجید کا اگلا بیان یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو جو پیدا کیا ہے اسے آناً فاناً خشک اور کوبیدہ کر کے ختم کر دیں۔ ''**خطم**'' کسی چیز کے ٹوٹنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بوسیدہ ہڈیوں اور خشک اور عبث چیزوں پر زیادہ تر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں ''**خطام**'' سے مراد خشک، بوسیدہ، ٹوٹی ہوئی اور پائمال گھاس مراد ہے (78)۔

مفردات

اَفَرَءَيْتُمْ: کیا تم نے دیکھا ہے یعنی کیا تم نے کبھی غور کیا ہے

مَّا: جو

تَحْرُثُوْنَ: تم کاشت کرتے ہو

ءَاَنْتُمْ: کیا تم ہو

تَزْرَعُوْنَهٗٓ: اسے اگاتے

اَمْ: یا

نَحْنُ: ہم

الزّٰرِعُوْنَ: اُگانے والے ہیں

لَوْ نَشَآءُ: اگر ہم چاہیں

لَجَعَلْنٰهُ: اسے بنا دیں

حُطَامًا: کتری ہوئی گھاس، چورہ

فَظَلْتُمْ: پس تم ہو جاؤ

تَفَكَّهُوْنَ: باتیں بناتے یا خشک گھاس

اِنَّا: بے شک ہم

لَمُغْرَمُوْنَ: واقعی ہم خسارے میں ہیں

بَلْ نَحْنُ: بلکہ ہم

مَحْرُوْمُوْنَ: محروم ہیں

قرآن مجید کی اگلی آیت میں ''تَفَكَّهُوْنَ ''لفظ استعمال ہوا ہے ۔ ابن منظور لکھتے ہیں کہ یہ ''فَاكِهَةٍ''ہی سے ماخوذ ہے(79)۔''فکاھت'' مزاح یا خوش طبعی کے لئے استعمال ہوجانے والا کلمہ ہے۔محفلوں کے اندر وہ زعفرانی گفتگو جو جان ادب بن جائے''فکاھت'' کہلاتی ہے۔آیت مذکورہ میں یہ لفظ تعجب، حیرت اور مشاہداتی جستجو اور لذت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ کہتے ہیں مزاح اور فکاہت میں فرق یہ ہوتا ہے کہ مزاح اچھے مزاج اور خوشی کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور فکاھت سنجیدگی کے شکم سے جنم لیتی ہے۔ یہاں''فکاھت'' سے مراد مصیبت کے وقت محصور خوش طبعی ہے اسی لئے باتیں بنانے کے معنوں میں بھی یہ لفظ استعمال ہوجاتا ہے۔

تعبیر کا یہ تعمق ہی اگلے دو جملوں کو کیفیت سازی اور معنیٰ آفرینی کا جامہ پہنا سکتا ہے۔انسان کا وہ احساس جو محرومیوں اور نقصان کا خیال پیدا کر دے وہ بھی نعمت ہوتا ہے۔ یہاں انسان کو موت یاد کروائی جارہی ہے اور یہ احساس ضمیر کے کھیت میں کاشت کیا جارہا ہے۔ بوٹے اجڑنے کے بعد جس طرح دانوں سے پیدا کر لئے جاتے ہیں زندگی بھی موت کے بعد مسکرا سکتی ہے، بات تو سوچ کی خوشبو ہے اگر میسر ہوجائے۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾
ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾
لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾
اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾
ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾
نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ ﴿۷۳﴾
فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾ الثلثة

(۶۸) بھلا تم نے کبھی اُس پانی میں غور کیا جو تم پیتے ہو

(۶۹) کیا بادلوں سے تم نے اسے اتارا یا ہم بارش برسانے والے ہیں

(۷۰) اور اگر ہم نے چاہا ہوتا تو اُس پانی کو تلخ کر دیتے تو پھر تم شکر کی روش کیوں نہیں اختیار کرتے

(۷۱) کیا تم نے کبھی سوچا اس آگ کے بارے میں جسے تم روشن کرتے ہو

(۷۲) کیا تم نے اس درخت کو بنایا جس سے وہ آگ نکلتی ہے یا ہم اُسے پیدا کرنے والے ہیں

(۷۳) ہم نے اُس میں نصیحتوں کے ساماں رکھے ہیں اور سفر کرنے والوں کا تو وہ سرمایہ ہے

(۷۴) تو اپنے عظمت والے ربّ کے نام کی تسبیح کرو

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

''بھلا تم نے کبھی اُس پانی میں غور کیا جو تم پیتے ہو، کیا بادلوں سے تم نے اسے اتارا یا ہم بارش برسانے والے ہیں اور اگر ہم نے چاہا ہوتا تو اُس پانی کو تلخ کر دیتے تو پھر تم شکر کی روش کیوں نہیں اختیار کرتے''۔

غور وفکر کا چھٹا اور ساتواں نصاب پانی اور آگ ہے، پوچھا یہ جا رہا ہے کہ کیا تم نے وہ پانی جو پیا جاتا ہے اس صاف شفاف معدن حیات پر غور وفکر کرنے کی کبھی زحمت کی ہے؟

کنویں پانی سے لبالب بھر جاتے ہیں، آبشاریں صاف اور بلوریں پانی لے کر اچھلتی کودتی ہیں اور چشموں سے پھوٹ پھوٹ کر پانی دعوت نظارہ دیتا ہے، گھنگھور بادلوں سے پانی نچوڑا جاتا ہے، دریا رواں دواں ہوتے ہیں اور سمندروں کی لہروں سے زندگی ابھرتی ہے، زمین پانی کے انجذاب سے باطنی خزانوں کو ذخیرہ کر لیتی ہے، ہوائیں پانیوں کو بخارات میں بدل کر پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی اُوپر معلق کر دیتی ہیں۔

کہیں حدت ہے جو برف کو پگھلا رہی ہے، کہیں برودت ہے جو بخارات کو ٹھنڈا کر کے منجمد کر رہی ہے، کہیں تقاطر ہے، کہیں تسا سُلسل ہے، کہیں تشالج ہے اور کہیں تماوج ہے، کہیں غوطے، کہیں ڈبکیاں، کہیں چسکیاں اور کہیں شرب وشرابت، جمال فطرت کی قسم! کہیں سورج مزدور بن کر سطح زمین کو صاف کر رہا ہے، کہیں ہوائیں اپنے مدوجزر سے شیریں پانی کو کشید کر نمکین پانی سے الگ کر رہی ہیں۔ تعجب حیرت سے گلے مل کر اعلان کرتی ہے فطرت کا اہتمام دیکھیں کہیں بادلوں کو تہہ در تہہ کیا جاتا ہے اور کہیں اسے روئی کی طرح دھن کر برف کے گالے بنا دیئے جاتے ہیں۔

یہ سب کچھ کون کرتا ہے؟

اور کس کے لئے کرتا ہے؟

مفسرین نے لکھا (80) کہ پانی کے پینے میں منافع کثیر ہیں جن کی طرف یہ آیات اشارہ کر رہی ہیں۔ اصل بات تو اللہ کی نعمت پر اس کا شکر ادا کرنا ہے اور معاد پر یقین پیدا کرنا ہے۔

❁❁❁❁❁

مفردات

اَفَرَءَيْتُمُ: کیا تم نے دیکھا ہے

الْمَآءَ: پانی

الَّذِیْ: وہ جو

تَشْرَبُوْنَ: جو تم پیتے ہو

ءَاَنْتُمْ: کیا تم نے

اَنْزَلْتُمُوْهُ: اتارا ہے اسے

مِنَ الْمُزْنِ: بادلوں سے یا بادل سے

اَمْ: یا

نَحْنُ: ہم

الْمُنْزِلُوْنَ: اتارنے والے ہیں

لَوْ نَشَآءُ: اگر ہم چاہتے

جَعَلْنٰهُ: بنا دیتے اسے

اُجَاجًا: کڑوا، کھاری اور تلخ، نہ پینے کے قابل

فَلَوْ لَا: تو کیوں نہیں؟

تَشْكُرُوْنَ: تم شکر گزار بنتے

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾

کیا تم نے کبھی سوچا اس آگ کے بارے میں جسے تم روشن کرتے ہو، کیا تم نے اس درخت کو بنایا جس سے وہ آگ نکلتی ہے یا ہم اُسے پیدا کرنے والے ہیں، ہم نے اُس میں نصیحتوں کے ساماں رکھے ہیں اور سفر کرنے والوں کا تو وہ سرمایہ ہے، تو اپنے عظمت والے ربّ کے نام کی تسبیح کرو"۔

قرآن مجید کے اس خطبہ ثمینہ اور کلام مرفوعہ میں دس نکات ہیں جو نظریاتی، عملی اور روحانی تربیت کے تقاضے پورے کرتے ہیں:

پہلا نکتہ

"ایرا" اور "تُوْرُوْنَ" کا مطلب کیا ہے؟

"تُوْرُوْنَ" کا مادہ "وری" ہے۔ اس لفظ کا اساسی معنیٰ چھپانا ہوتا ہے۔ اصل میں آگ اپنے مصادر میں چھپی ہوتی ہے اس لئے "ایرا" کا مطلب ہوگا مختلف وسائل کی مدد سے آگ اخذ کرنا ایسے جیسے چنگاری سلگا کر آگ حاصل کر لی جاتی ہے یا لوہے کو لوہے سے یا چقماق سے رگڑ کر یا پتھروں کی رگڑ سے آگ حاصل کر لینا (81)۔

آگ کا درخت

حجاز مقدس میں صحرا کے اندر دو درخت پیدا ہوتے ہیں، ایک کا نام "مرخ" ہے اور دوسرے کا نام "عفار" ہے۔ ان کے باہم رگڑنے سے ایک شیرہ سا نکلتا ہے جو آگ پکڑ لیتا ہے۔ "عفریت" جو دیو یا بڑے جن کو کہہ دیتے ہیں وہ آگ ہی کا معنیٰ رکھتا ہے۔ اصل میں تو قرآن مجید تضاد سے "توافق" کا استدلال کرتے ہوئے اللہ کی قدرت بیان کرتا ہے کہ ایک طرف سبز درخت اور دوسری طرف ان کے اندر آگ کا چھپا ہونا اللہ جو چاہے اس پر وہ قدرت رکھتا ہے (82)۔

تیسرا نکتہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر کر کے انسانوں میں تشکر کا احساس پیدا کیا ہے۔ پہلے زراعت میں دانے پیدا کرنا اور پودوں کی نشات بیان ہوئی، پھر پانی کا ذکر ہوا اور اب ان آیات میں آگ کی نعمت کا ذکر ہوا۔ سالن پکاتے ہوئے نعمتوں کے استعمال کی ترکیب بھی یہی ہوتی ہے۔ دانے پانی میں ڈالے جاتے ہیں اور پھر آگ پر پکا کر انہیں کھانے کے کام میں لایا جاتا ہے گویا دانے اور پانی کی طرح آگ

مفردات

اَفَرَءَيْتُمُ: کیا دیکھا تم نے
النَّارَ: آگ
الَّتِیْ: وہ جو
تُوْرُوْنَ: جلاتے ہو تم
ءَاَنْتُمْ: کیا تم نے
اَنْشَاْتُمْ: پیدا کیا تم نے
شَجَرَتَهَاۤ: اس کا درخت
اَمْ نَحْنُ: یا ہم نے
الْمُنْشِـُٔوْنَ: پیدا کرنے والے
نَحْنُ: ہم
جَعَلْنٰهَا: بنایا اس کو
تَذْكِرَةً: نصیحت کا ذریعہ
وَّ مَتَاعًا: اور سامان
لِّلْمُقْوِیْنَ: مسافروں کے لئے
فَسَبِّحْ: تو تسبیح کر
بِاسْمِ رَبِّكَ: اپنے ربّ کے نام کی
الْعَظِیْمِ: بڑا

بھی نعمت کے طور پر گنی گئی (83)۔

چوتھا نکتہ

''مقوین'' کا معنیٰ دو طرح کیا گیا: ایک مالدار، تونگر اور غنی لوگ ''مقوین'' کہلاتے ہیں اور دوسرا مسافروں کو بھی ''مقوین'' کہہ دیتے ہیں۔ ''قوا'' اصل میں اس زمین کو کہہ دیتے ہیں جو بنجر اور اجاڑ ہو اور یہ بھی کہ وہاں آبادی نہ ہو، ایسے مقامات پر فروکش ہونے کے لئے مسافر بننا پڑتا ہے۔ اس لئے ''مقوین'' کا ترجمہ مسافر کیا گیا ہے۔ مہمان نواز لوگ گھروں میں آگ جلا کر رکھتے تا کہ مسافر اپنی سہولت کے مطابق ایسی پناہ گاہوں سے مدد حاصل کر سکیں (84)۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

> ''اگر کوئی شخص مالدار ہو جائے اور اس کے جانور فربہ ہو جائیں اور خود بھی اسے کھانا پینا وافر میسر ہو تو اہل علم کہتے ہیں:
>
> ''اقویٰ الرجل''
>
> ''وہ آدمی قوت والا ہو گیا ہے''
>
> ''آگ کی نعمت سے زیادہ مستفید مالدار لوگ ہی ہوتے ہیں۔ ویسے بھی سوئی گیس کا بل متمول لوگوں ہی کا زیادہ آتا ہے اس لئے ''مقوین'' کا معنیٰ غنی لوگ بھی کیا ہے'' (85)۔

پانچواں نکتہ

آگ جلانے کے لئے ''ایرا'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو چھپانے کے معنیٰ میں ہے۔ جو چیز جتنی مخفی ہو گی اس کی طاقت اور اثر گہرا ہو گا۔ راز اگر چھپا لئے جائیں اور عیب پوشی کی عادت اخلاق میں آ جائے تو روحانیت کی آگ طور سے بھی زیادہ بھڑک سکتی ہے۔ غار حرا کے رازوں میں سے ایک راز یہی ہے۔

چھٹا نکتہ

اس میں روحانی ہدایت یہ ہے کہ انسان سمجھے کہ اللہ نے دنیا کی آگ کو پیدا کیا اس میں حدت، تپش، حرارت اور سوزش اگر یہ ہے تو آخرت کی آگ کتنی سخت ہو گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (86):

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تمہاری یہ آگ جسے بنوآدم جلاتے ہیں دوزخ کی آگ سے ستر درجہ کم ہے''۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ! اگر دوزخ کی آگ دنیا کی آگ جتنی ہوتی تو وہ بھی کافی تھی آپ نے فرمایا: ''دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر درجہ زیادہ ہے اور اس کا ہر درجہ دنیا کی آگ جتنا ہے''۔

ساتواں نکتہ

آیت میں اشارہ ہے ''نارمحبت'' کی شعلہ نوائی اللہ ہی فرماتا ہے۔ اس کا چقماق طلب ہے، آرزو ہے اور حقیقی تمنا ہے اور یہ ہے ہی محب صادق کے دل کی جلن کے لئے جو طریق کا سالک ہے اور اس کا درخت عنایت الٰہیہ سرمدیہ ہے۔

ابوالحسنین منصور کا قول ہے:

''اگر نارعشق نہ ہوتی تو مجھے پتہ نہ ہوتا کہ کتاب کیا ہے؟ اور ایمان کیا ہے''؟

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''محبت ایسی آگ ہے جس سے اللہ اپنے محبوب اولیاء کے دل جلاتا ہے اور اللہ کی دوستی کا یہی کمال ہے''۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرائیل سے پوچھا میں نے میکائیل کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا:

''جب سے آگ پیدا ہوئی ہے وہ کبھی ہنسے نہیں ہیں''(87)۔

آٹھواں نکتہ

دنیا میں اہل اللہ سرسبز درختوں کی طرح جیتے ہیں، جیسے درخت ایندھن بن کر جلتے ہیں لیکن دوسروں کے کام آتے ہیں۔ اہل اللہ بھی خود تکلیفیں اٹھاتے ہیں لیکن دوسروں کی آسائش اور آرام کا بندوبست کرتے ہیں۔ دوسرا یہ ہے کہ درخت وہی سبز اور شاداب ہوتا ہے جس کی جڑوں سے پانی پتوں اور پھلوں پھولوں تک پہنچتا رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصل کائنات ہیں، ان کے فیض کا پانی ہر وقت عاشقوں کو پہنچتا رہتا ہے، اس سے وہ حالت ایمان میں شاداب رہتے ہیں۔ درختوں کا پانی نچوڑیں تو یہ ''عصر'' درخت کی لذت پر دلالت کرتا ہے۔ اہل اللہ کی آنکھوں سے جس وقت پانی رواں ہو تو وہ

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

آب بروده غنچۂ ایمان کوشاداب کردیتا ہے۔

نواں نکتہ

آگ تو جلانے والی چیز ہے لیکن قرآن مجید کی یہ آیت سکھلاتی ہے کہ درسِ عبرت لینے والے حساس لوگ تو آتش سوزاں کو بھی تذکیر وتذکرہ کا مصدر بنالیتے ہیں اور اس کے فوائد کو نعمتوں کے آئینے میں رکھ کر دیکھتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہتے ہیں۔ ایسے عظیم لوگوں کی یہ تشکر آمیز روش ان کی ترقی اور ارتقاء کا زینہ بن جاتا ہے۔ ایک کیڑا ہے جس کا نام سمندر ہے وہ آگ کے اندر جیتا ہے آگ کے بغیر جی نہیں سکتا ہے، مشکلات جتنی بھی ہوں اللہ والے ذکر وشکر کے بغیر جی نہیں سکتے۔

دسواں نکتہ

آیت کا درس شوق یہ ہے کہ ہمہ دم اپنے عظیم پروردگار کی تسبیح کرتے رہو۔ اس کے نام کی مالا جپتے رہو اور عقیدہ رکھو وہ عظیم ہے، عیبوں سے منزہ ہے اور قادر مطلق ہے۔ جب بندے کا رشتہ معبود سے تسلیم کا ہوجائے تو نامرادیوں کی ظلمت روشنی سے بدل جاتی ہے۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾
وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾
اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾

(۷۵) تو مجھے قسم ہے ان جگہوں کی جہاں تارے بھی ٹوٹ پڑیں
(۷۶) اور بے شک اگر تم جانو تو یہ بہت بڑی قسم ہے
(۷۷) بلاشبہ یہ عزت والا قرآن ہے

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾

''تو مجھے قسم ہے ان جگہوں کی جہاں تارے بھی ٹوٹ پڑیں اور بے شک اگر تم جانو تو یہ بہت بڑی قسم ہے، بلاشبہ یہ عزت والا قرآن ہے''۔

قرآن مجید کی یہ آیات استدلال کے تکوینی مدار سے قاری قرآن کے ذہن اور روح کو نکال کر ایک نئے اسلوب کی روشنی سے روبرو کر دیتی ہیں جہاں ستاروں کے مدار اور مراکز سے خفیف سی بحث موجود ہے لیکن اصل استدلال قرآن کریم کی آیات سے ہے ''مواقع النجوم'' کی قسم کی جاتی ہے اور مفسرین کے نزدیک آیت میں ''لا'' کو زائدہ کہا جاتا ہے۔ ''لا'' زائدہ ہو یا نہ ہو آیت کی معنویت دونوں صورتوں میں مضبوط اور مؤثر رہتی ہے۔

مفسرین کے نزدیک ''مواقع النجوم'' سے مراد پانچ مصادیق ہیں:

(1) اس سے مراد مشارق اور مغارب ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف مغارب مراد ہیں اس لئے کہ ستارے مغرب ہی میں غروب ہوتے ہیں (88)۔

(2) ''مواقع النجوم'' سے مراد ''بروج'' اور سیاروں اور ستاروں کی منازل ہیں (89)۔

(3) شیاطین جب عالم بالا کی طرف شرارتوں کے لئے بڑھتے ہیں تو ان پر آگ کے گولے برسائے جاتے ہیں، برسائے جانے والے گولوں کو شہابِ ثاقب کہا جاتا ہے۔ جہاں وہ آگ کے گولے پڑتے ہیں وہ ''مواقع النجوم'' کہلاتے ہیں (90)۔

(4) قیامت کے دن ستاروں کے ٹوٹنے اور بکھرنے کی جگہ ''مواقع النجوم'' کہلاتی ہے (91)۔

(5) قرآن مجید میں ''النُّجُوْمِ'' سے مراد اقساط اور حصص ہیں۔ وقوف، مدار معنویت یا روحانی اطلاقات اور مصادیق اور اہل اللہ کے دل پر جب القا اور ایقاع ہو وہ ''مواقع النجوم'' ہیں۔ ان علوم کے لئے اہل بیت کے قلوب مختص ہیں (92)۔

ایک اہم نکتہ

اگر تم سمجھو تو یہ قسم بہت بڑی ہے۔

تین وجہوں سے قسم کو عظیم کہا گیا:

☆ پہلا سبب یہ ہے کہ یہ قسم اللہ کی ہے۔

مفردات

فَلَآ: ''تو مجھے''، یہاں ''لا'' نفی کے لئے نہیں ہے تاکید کے لئے ہے

اُقْسِمُ: قسم ہے مجھے

بِمَوٰقِعِ: گرنے کی جگہ

النُّجُوْمِ: ستارے

وَ اِنَّهٗ: اور بے شک وہ

لَقَسَمٌ: یقیناً قسم ہے

لَّوْ تَعْلَمُوْنَ: اگر تم جانو

عَظِيْمٌ: بہت بڑی

اِنَّهٗ: بے شک وہ

لَقُرْاٰنٌ: قرآن ہے

كَرِيْمٌ: کرامت والا، عزت والا

☆ دوسرا سبب یہ ہے کہ انسانوں کے ادراک اور علم سے بڑھ کر لطائف اور حقائق کی قسم کی گئی ہے جن تک نبوت کے وسیلہ کے بغیر رسائی ممکن نہیں ہے۔

☆ اور تیسرا سبب یہ ہے قرآن وحی ہے، اس کے مضامین علم کے سمندر میں مدوجزر پیدا کرتے رہتے ہیں، یہ علم ہی نہیں علم آفرین بھی ہے۔

ایک باریک اشارہ

قرآن مجید ایک واضح اشارہ کر رہا ہے کہ ''مواقع النجوم'' قرآن سے مربوط ہیں اگر قافلۂ آدمیت کا ربط قرآن سے مضبوط ہو جائے تو ستارے بھی اپنی گردنیں مسلمانوں اور قرآن کے عاشقوں کی کمند تسخیر میں دے دیتے ہیں۔

قرآن کو ''کریم'' کیوں کہا گیا؟(93)

☆ قرآن مجید کو عزت والا اور کرم والا کہا گیا۔ مشرکین چونکہ قرآن کو سحر اور جادو کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے افترے کو بکھیر دیا ہے کہ جادو کوئی عزت والی چیز نہیں، عزتیں ساری تو قرآن کے لئے ہیں۔

☆ قرآن مجید ''کریم'' ہے اس لئے کہ یہ بہت زیادہ پڑھا جاتا ہے۔ اس کی تلاوت قرآن کی تکریم پیدا کرتی ہے اس لئے یہ کرم کا وسیلہ ہے سو اسے ''کریم'' کہہ دیا گیا ہے۔

☆ قرآن کے پڑھنے کا ثواب بہت زیادہ ہے اس لئے یہ کریم ہے۔

☆ قرآن مجید سے جو طلب کیا جائے وہی اس سے مل جاتا ہے۔ ادب والوں کو ادب، علم والوں کو علم، حکیموں کو حکمت، تاریخ والوں کو تاریخ اور تصفیہ والوں کو محبوب اور معبود کی محبت۔ کریم سخی کو کہتے ہیں جو یہ صحیفہ سب کی جھولیاں بھر دیتا ہے اس لئے یہ ''کریم'' ہے۔

☆ روحانی اور جسمانی بیماریوں سے شفا ملتی ہے، قرآن مجید نے خود اپنے آپ کو ''**شفالمافی الصدور**'' کہا ہے۔

☆ قرآن شفاعت کرے گا۔ جو کسی کی گردن چھڑائے وہ ''کریم'' ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص نے قرآن پڑھا، اسے حفظ کیا، اس کے حلال کو حلال جانا اور اس کے حرام کو حرام مانا، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور اس کے گھر والوں میں سے دس ایسے افراد کی شفاعت کرے گا جن کے

لئے دوزخ واجب ہو چکے گی''۔

☆ قرآن مجید کے پڑھنے سے عذابِ قبر دور ہوتا ہے۔

☆ قرآن مجید کی تلاوت شھادت کا درجہ دیتی ہے۔

☆ قرآن مجید سے محبت کی وجہ سے جنت ملے گی اس لئے قرآن ''کریم'' اور جنت نواز ہوا۔

☆ قرآن مجید کی وجہ سے جنت کے مدارج ملیں گے۔

فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا
لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ ط
تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾
اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ لَا
وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾

(۷۸) ایک عظیم نوشتہ میں محفوظ ہے

(۷۹) پاکیزگی رکھنے والوں کے سوا اسے کوئی مس نہ کرے

(۸۰) جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل شدہ ہے

(۸۱) کیا اس عظیم اور تازہ کتاب کے بارے میں تم سستی کرتے ہو

(۸۲) تم کیا ہو کہ جو چیز تمہاری منفعت کے لئے تھی اُسی کی تکذیب کرتے ہو

فِيْ: میں
كِتٰبٍ: کتاب
مَّكْنُوْنٍ: پوشیدہ، مخفی
لَّا: نہیں
يَمَسُّهٗٓ: چھوتے اُسے
اِلَّا: مگر
الْمُطَهَّرُوْنَ: وہی جو پاک بنائے گئے ہیں
تَنْزِيْلٌ: اتارا ہوا
مِّنْ: سے
رَّبِّ: جو پروردگار
الْعٰلَمِيْنَ: تمام جہانوں کا ہے

فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿٧٩﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾

''ایک عظیم نوشتہ میں محفوظ ہے، پاکیزگی رکھنے والوں کے سوا اسے کوئی مس نہ کرے، جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل شدہ ہے''۔

فرقانِ حمید کے اوصافِ کریمانہ

قرآن مجید کو اس سے پہلی آیت میں ''کریم'' کہا گیا ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ قرآن حکیم عزت والی کتاب ہے اور یہ جس سینے میں جائے اُسے بھی معزز اور مکرّم کر دیتی ہے۔ یہ آیت کریمہ قرآن مجید کی محفوظیت کو بیان کرتی ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ کتاب کریم کو کسی بادشاہ یا صاحبِ ثروت کی دولت یا کسی مکّار کا دجل وفریب ضائع کر سکتا ہے۔ ایں خیال است ومحال، قرآن حکیم ایک پوشیدہ مقام پر محفوظ ہے۔ شاید اس سے اشارہ فرشتوں کی طرف ہے کہ وہ لوح محفوظ پر اسے محفوظ کئے ہوئے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ کے فضل کی طرف اشارہ ہو کہ وہ کریم ربّ اس کتاب کو دلوں، ذہنوں اور نیک لوگوں کی روحوں میں محفوظ کئے ہوئے ہے۔ اس دولت کو دلوں سے نوچ کر نہیں نکالا جا سکتا (94)۔

مفسرین نے یہ معنیٰ لینے میں بخل نہیں برتا بلکہ صراحت کی ہے کہ اس کتاب کو نہیں چھوتے مگر وہ لوگ جن کے دل پاک ہیں، اخلاق مطہر ہیں، ایسے عظیم القدر لوگ ہی قرآنی علوم اور حقائق کا ادراک کر سکتے ہیں۔ یہ معنیٰ بھی لیا گیا ہے کہ اس کتاب کو بغیر طہارت اور وضو کے چھوا نہ جائے (95)۔

تیسری آیت میں کہا گیا یہ کلام جادو ٹونا نہیں اور نہ شاعرانہ تعلّی ہے۔ بے مقصد لفظوں کی موسیقیت بھی اس کتاب کا ترانہ نہیں۔ یہ کتاب مقدس اور معزز صحیفہ ہے جو مخلوق کی ہدایت اور تربیت کے لئے اتارا گیا ہے، جس خدا نے چاند، سورج اور ستاروں کو ایک محکم نظام کی گرفت میں لیا ہوا ہے اُسی مالک کی طرف سے نازل کیا ہوا یہ کلام ہے جس کی ہر بات اٹل ہے اور شفا اور نور بھی اسی قرآن کی آیات ہیں، اللہ ہی ہے جس نے اس قرآن کے سورج کو روشنی دے رکھی ہے (96)۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اَفَبِهٰذَا: کیا اس کے ساتھ؟ یا کیا اس میں
الْحَدِيْثِ: بات
اَنْتُمْ: تم لوگ
مُّدْهِنُوْنَ: تم سستی کرتے ہو
وَتَجْعَلُوْنَ: اور تم بناتے ہو
رِزْقَكُمْ: اپنا حصہ روزی کا
اَنَّكُمْ: بے شک تم لوگ
تُكَذِّبُوْنَ: جھٹلاتے ہو

اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿٨١﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٨٢﴾

''کیا اس عظیم اور تازہ کتاب کے بارے میں تم سستی کرتے ہو، تم کیا ہو کہ جو چیز تمہاری منفعت کے لئے تھی اُسی کی تکذیب کرتے ہو''۔

مداھنت کا مفہوم

یہ لفظ باب ''مفاعلہ'' ہے اس کی اصل ''دھن'' ہے جس کا معنیٰ تیل ہوتا ہے۔ علامہ راغب اصفہانی

فرماتے ہیں (97): ''الدّھنه'' چکناہٹ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔تیل کی شیشی ''المدھن'' ہوتی ہے۔''ادھان'' تیل مل کر کسی چیز کو نرم کرنا ہوتا ہے۔لفظ کا اساسی معنیٰ نرمی، سہولت اور قلت لکھا گیا ہے۔''المداھنه''، تصنع، بناوٹ اور فریب ہوتا ہے۔''سورۃ القلم'' میں مقصود سے ہٹنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی اے محبوب آپ تھوڑے سے بھی اپنی فکر سے ہٹیں تو مشرکین اپنے باطل سے ہٹ کر مفاہمت کرلیں گے لیکن باطل کو اپنی جگہ سے ہٹنے میں کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن حق اپنی جگہ سے ہٹے تو مقصود تو ذبح ہو جاتا ہے اس لئے مداھنت بری چیز ہے۔اصل بات یہ ہے کہ دین کے محکم اصول اپنے اندر کسی چیز میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں رکھتے اس لئے دین میں تیل دینا، بٹرنگ کرنا اور فریب دینا اچھا نہیں سمجھا گیا (98)۔

''ھذاالحدیث '' سے مراد

یہاں ''الحدیث'' سے مراد قرآن ہے۔اس کلام کے تازہ اور شگفتہ ہونے کی طرف بلیغ اشارہ ہے۔قرآن حکیم نے علوم اور معارف کو اپنے اندر چھپایا ہے۔جس طرح پانی کا چشمہ ہوتا وہی ہے لیکن ہر روز پانی کی جدّت، ذائقہ، لذت اور سیرابی بے مثل ہوتی ہے۔قرآن حکیم حالات کے ہر موڑ پر تازہ رہنمائی فراہم کرتا ہے۔تازہ چیز اپنی اصل سے ربط کی مؤثر دلیل ہوتی ہے۔ربّ کریم نے مشرکین کے ضمیر کو جھنجھوڑا کہ تم تیل دادی سے مفہومات میں تحریف چاہتے ہو یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

تم عجیب الخلقت لوگ ہو

مداہنت کرنے والے لوگ عجیب ہیں انہوں نے اپنا نصیبہ اور روزی تکذیب ہی بنا لی ہے۔ بجائے اس کے کہ ستارۂ خیر سے روشنی اخذ کرتے ان پیٹو مزاج لوگوں نے جھوٹ، جھوٹ اور جھٹلانے کو اپنی روزی بنالیا۔قرآنی ادب کی بے ساختگی ملاحظہ ہو کہ بدبخت منافقین کے لئے کہا کہ یہ جھوٹ کھاتے ہیں، جھوٹ پہنتے ہیں اور جھوٹ ہی کے حصار میں رہتے ہیں، قرآن کے علم و قلم اور عرفان و علم میں ندرت ہے۔اس گلی میں یزیدوں کو جوتے پڑتے رہتے ہیں۔قرآنی افکار کے کوچوں میں ترحیب کی حوصلہ افزائی نگہت اور رنگ رکھتی ہے اور قرآن جس کا دشمن ہو جائے وہاں تازیانے برستے ہیں اور دوزخی شعلوں کی آتش باری ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

تربیت کی تکمیل اور روح البیان کی خامہ فرسائی

چشم پوشی اگر دینی اقدار کی سلامتی کے لئے ہو تو یہ مدارات ہوتی ہے جبکہ نفسانی خواہشات کے لئے اگر نرمی برتی جائے تو یہ مداہنت ہوتی ہے۔اسی حقیقت کی طرف یہ اشارہ ہے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے ساتھ ہم نیک برتاؤ کرتے ہیں لیکن ہمارے ضمیر ان پر لعنت بھیج رہے ہوتے ہیں''(99)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا(100):

مجھے اپنی اُمت کے بارے میں تین امور میں بڑا خطرہ محسوس ہوتا ہے:

1۔ ائمہ، امرأ اور سلاطین کا ظلم

2۔ تکذیب بالقدر

3۔ ستاروں پر ایمان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین امور جاہلیت سے ہیں(101):

1۔ انساب پر طعن

2۔ نوحہ اور نیاحہ یعنی بین کرنا

3۔ ستاروں کو بارش کا ذریعہ سمجھنا

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾
وَاَنْتُمْ حِيْنَىِٕذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾
فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾
تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾

(۸۳) پھر کیوں نہ ایسے سوچا کہ جب جان گلے تک جا پہنچے گی

(۸۴) اور پھر تم خود اس وقت دیکھ رہے ہو گے

(۸۵) اور ہم اُس سے زیادہ قریب ہیں تم سے لیکن تم دیکھتے نہیں ہو

(۸۶) تو کیوں نہ ہوا اگر تمہارے اعمال کی جزا نہ دی جائے

(۸۷) کہ اُسے لوٹا لائے بتاؤ اگر تم سچے ہو

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ
اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾
تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾

''پھر کیوں نہ ایسے سوچا کہ جب جان گلے تک جا پہنچے گی اور پھر تم خود اس وقت دیکھ رہے ہو گے اور ہم اُس سے زیادہ قریب ہیں تم سے لیکن تم دیکھتے نہیں ہو، تو کیوں نہ ہوا اگر تمہارے اعمال کی جزا نہ دی جائے، کہ اُسے لوٹا لائے بتاؤ اگر تم سچے ہو''۔

''فَلَوْلَآ''، تخضیص کے لئے ہے یا اظہار عجز کے لئے اور ''اِذَا'' ظرفیہ ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ان کی روح کا تعلق بدن سے ٹوٹتا ہے تو پھر یہ لوگ روح کو واپس بدن میں کیوں نہیں لے آئے۔ اگر بے بسی، کمزوری اور عاجزی کا حال یہ ہے تو پھر ایمان لانے اور بات تسلیم کرنے میں سبقت کیوں نہیں لے جاتے؟ وہ کون سی باعثِ عدول بات ہے جس کی بنا پر تم اندھیر مچائے ہو۔

یہ جملہ کہ ''اس وقت تم دیکھ رہے ہوتے ہو'' اس میں مخاطب مرنے والے کے وہ دوست ہیں جو موت کے وقت پاس موجود ہوتے ہیں۔

سیدی ابوالحسنات لکھتے ہیں (102):

''جب مرنے والے کی روح گلے تک پہنچتی ہے اور اس کے بدن سے رشتہ منقطع ہو جاتا ہے تم پاس موجود لوگ اس کی جان کنی کی سختیاں دیکھ رہے ہوتے ہو اور تم اس کی مدد کرنے سے عاجز ہوتے ہو۔ شداد بن اوس کی روایت ہے جب روح نکلتی ہے تو نگاہ اس کا تعاقب کر رہی ہوتی ہے''۔

انسانی بے بسی، عاجزی اور کمزوری کو قرآن حکیم مزید واضح کر کے بیان کرتا ہے:

''میت کے پاس موجود لوگوں کی نسبت ہم اس سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور وہ فرشتے بھی جو روح کو لینے آتے ہیں وہ بھی قریب ترین موجود ہوتے ہیں لیکن تم لوگ دیکھ نہیں پاتے یہ ہم ہی ہیں جو جانتے ہیں ارتحال کے وقت میت پر کیا گزرتی ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ اللہ تو ہر وقت بندے سے قریب رہتا ہے، اس کی نقل و حرکت

مفردات

فَلَوْلَآ: پس کیوں نہیں
اِذَا: جب
بَلَغَتِ: پہنچی، اشارہ جان کی طرف ہے
الْحُلْقُوْمَ: ہنسلی، گلے تک
وَاَنْتُمْ: اور تم
حِيْنَئِذٍ: اس وقت
تَنْظُرُوْنَ: تم دیکھتے ہو
وَنَحْنُ: اور ہم
اَقْرَبُ: زیادہ قریب
اِلَيْهِ: اس کی طرف
مِنْكُمْ: تم سے
وَلٰكِنْ لَّا: اور لیکن نہیں
تُبْصِرُوْنَ: تم دیکھتے
فَلَوْلَآ: تو کیوں نہیں؟
اِنْ كُنْتُمْ: اگر ہو تم
غَيْرَ: غیر، نہ
مَدِيْنِيْنَ: بدلہ پانے والے
تَرْجِعُوْنَهَآ: تو لوٹا لیتے اس کو
اِنْ كُنْتُمْ: اگر ہو تم
صٰدِقِيْنَ: سچے

کو دیکھتا ہے۔ یہ انسانوں کی اپنی بدقسمتی ہے کہ وہ اپنے
مالک سے دور رہتے ہیں''۔

ایک اور حقائق کا شعلۂ مستور بے حجاب کیا جاتا ہے کہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا اگر بالکل نہ دی جائے تو یہ ''نظام الٰہی'' کے کمزور ہونے کی دلیل تھوڑی ہی ہے۔ اگر تمہارا وہم ایسا ہی ہے یعنی تم سمجھتے ہو کہ مرنے کے بعد اٹھنا اور اعمال کی جزا وغیرہ کچھ بھی نہیں تو اس صورت میں تم لوگ اپنے مرنے والوں کی روحوں کو واپس کیوں نہیں کر لیتے۔ تمہاری بے بسی اس بات کا کھلا اعلان ہے کہ حساب اور احتساب کا نظام قطعی ہے اور موت کے بعد یہ حیات کا سلسلہ آنے والی ایک کھلی روحانی کائنات کا پتہ دیتا ہے۔ بندے کی صداقت کو اعتراف اور ایمان کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ زینب بی بی کو جب ابن زیاد نے دارالامارہ میں کہا کہ ''تم آج ذلیل ہو چکے ہو اور تمہارا جھوٹ کھل گیا ہے'' اس پر بی بی پاک نے فرمایا:

''ارے اِس اُس کی اولاد ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والے
ہیں، ایمان اور عمل کی فضیلتیں ہمارے لئے ہیں، باقی رہا
جھوٹ کھل جانا تو یہ لعنت ایسے شخص کے لئے ہوتی ہے جو
سچائی کو پیش نظر، پیش روح نہیں رکھتا ہے، یہ ہم ہی ہیں
جن کا ظاہر باطن صدق ہے، جھوٹے تم لوگ ہو اور یاد
رکھو ظلم پر تمہارا محاسبہ اٹل حقیقت ہے''۔

❁❁❁❁❁

فَاَمَّآ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ۙ﴿۸۸﴾
فَرَوۡحٌ وَّرَيۡحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيۡمٍ ﴿۸۹﴾
وَاَمَّآ اِنۡ كَانَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ۙ﴿۹۰﴾
فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ؕ﴿۹۱﴾

(۸۸) پس اگر وہ قرب والوں میں سے ہے

(۸۹) تو اس کے لئے راحت اور خوشبوئیں ہیں اور ہمیشہ رہنے والے باغات

(۹۰) اور اگر وہ داہنے بازو والوں میں سے ہے

(۹۱) تو محبوب! آپ پر سلام ہو داہنے ہاتھ والوں کی طرف سے

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۙ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾

''پس اگر وہ قرب والوں میں سے ہے، تو اس کے لئے راحت اور خوشبوئیں ہیں اور ہمیشہ رہنے والے باغات اور اگر وہ داہنے بازو والوں میں سے ہے، تو محبوب! آپ پر سلام ہو داہنے ہاتھ والوں کی طرف سے''۔

سورۃ الواقعہ سورج کی تازہ کرنوں کے ساتھ جیسے ابھرتی ہے اور اس سورت کا آخری حصہ جس طرح پھولوں کا ست ہوتا ہے ایک حسین، دل کُشا اور خوش روح امتزاج کے ساتھ قاریٔ قرآن کو اپنے اندر سمو لیتی ہے۔ وہ تغیرات، کیفیات اور جلوے جو موت کے آستاں پر محسوس ہوتے ہیں یہ سورہ اپنے قاری کے سامنے بے حجاب کر دیتی ہے۔ آیت پہلے تو مقربین کی بات کرتی ہے کہ وہ لوگ جو زندہ ضمیری کی روشنی میں زندگی گزارتے ہیں ان کا ایمان ان کی پرواز کا پر ہوتا ہے اور ان کے اعمال اور ان کی محبتیں خدا سے قرب کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ وہ مسلسل سکون، راحت اور آرام کی حالت میں ہوتے ہیں، نعمتوں سے لبریز جنت ان کی آماجگاہ ہوتی ہے۔

تفسیر خازن نے صراحت کی کہ ''روح'' سے مراد استراحت ہے۔ مفسرین نے کتنی خوبصورت بات لکھی کہ مقربین میں سے جس وقت کسی کی موت کا وقت آ پہنچتا ہے اس کے پاس ''ریحانِ'' جنت لائے جاتے ہیں۔ یہ ایک قسم کے پھول ہوتے ہیں، مرنے والا جب یہ پھول سونگھتا ہے ایک خاص کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے اور وہ اسی حالت میں اپنی روح اللہ کے فرشتوں کو سپرد کر دیتا ہے(103)۔

صاحب جلالین لکھتے ہیں(104):

''فروح'' اماّ شرطیہ کا جواب ہے اور ''ان'' شرطیہ کا جواب کثیر الحذف ہوتا ہے۔ یہاں معنوی حقیقت یہ مضمر ہے کہ مقرب خدا کے لئے سلامتی ہی سلامتی ہوتی ہے گویا سلام سلام کے ترانوں میں اس کا استقبال ہوتا ہے''۔

اصحاب الیمین کا انجام کیسے یمن و برکت میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے،

ابن عاشور نے ایک خفیف سا اشارہ ان معنوں کی طرف فرمایا ہے(105):

''روح ہر قسم کی راحت اور ریحان ہر قسم کی نعمت کی طرف اشارہ ہے''۔

مفردات

فَاَمَّآ اِنْ: پس اگر تو
كَانَ: ہو وہ
مِنَ: سے
الْمُقَرَّبِيْنَ: قرب والے
فَرَوْحٌ: تو راحت ہے
وَّرَيْحَانٌ: اور خوشبو
وَّجَنَّتُ: اور باغات
نَعِيْمٍ: نعمت والے
وَاَمَّآ اِنْ: اور اگر تو
كَانَ: ہو وہ
مِنْ: سے
اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ: دائیں ہاتھ والے
فَسَلٰمٌ: تو سلام ہے
لَّكَ: تیرے لئے
مِنْ: سے
اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ: داہنے ہاتھ والے

مقربین اور اصحاب الیمین دونوں ناجی طبقات ہیں فرق صرف عطاؤں اور نعمتوں کی کثرت و کیفیت میں ہے۔ جیسے اعمال اور محبت میں پستی بلندی ہوتی ہے جنت اور عندالموت کی نعمتوں میں اسی قسم کا معنوی فرق ہوتا ہے(106)۔

مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ روح رحمت کی طرف اور ریحان شرافت وفضیلت کی طرف اشارہ ہے(107)۔

یہ بھی کہا گیا کہ روح جہنم سے آزادی اور ریحان جنت میں دخول ہے۔

روح اور ریحان تنفس میں راحت، خوشگواری اور خوشی، سکون اور آسانی کا معنیٰ رکھنے والے کلمات ہیں(108)۔

یہ قول بھی پسند آیا کہ روح برزخ میں آرام اور ریحان بہشت میں خوشیوں کا دوسرا نام ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا کہ کشف الکروب روح ہے اور غفران الذنوب ریحان ہے(109)۔

یہ قول پڑھ کر روحانی سکون ملا(110):

> ''روح وجوہ اللہ کی زیارت ہے اور ریحان کلام کا استماع ہے۔ قرآن مجید کے یہ لفظ یقیناً روح افزا ہوں گے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آواز آئے گی''۔

اے نفس مطمئنہ!
اپنے ربّ کی طرف پلٹ آ
اس حالت میں
کہ
ربّ تجھ سے راضی
اور تو
ربّ سے راضی
سو میرے بندوں میں داخل ہو جا
اور میری جنت میں داخل ہو جا

ایک روح پرور تعبیر یہ بھی ہے کہ مومن کے لئے اس کی قبر روح اور ریحان ہوگی اور اس کی آخرت جنت نعیم کے مزے لئے ہوگی۔

❁❁❁❁❁

وَاَمَّآ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُكَذِّبِيۡنَ الضَّآلِّيۡنَ ﴿۹۲﴾ۙ
فَنُزُلٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ ﴿۹۳﴾ۙ
وَّتَصۡلِيَةُ جَحِيۡمٍ ﴿۹۴﴾
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الۡيَقِيۡنِ ﴿۹۵﴾ۚ
فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ ﴿۹۶﴾ۛ

(۹۲) اور اگر وہ تکذیب کرنے والے گمراہوں میں سے ہوا
(۹۳) تو کھولتے پانی سے اس کی مہمانی ہوگی
(۹۴) اور بھڑکتی آگ میں جھونکا جائے گا
(۹۵) اور بے شک یہ باتیں انتہائی یقینی ہیں
(۹۶) تو اپنے عظمت والے ربّ کی تسبیح کرو

وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾

''اور اگر وہ تکذیب کرنے والے گمراہوں میں سے ہوا، تو کھولتے پانی سے اس کی مہمانی ہو گی اور بھڑکتی آگ میں جھونکا جائے گا اور بے شک یہ باتیں انتہائی یقینی ہیں، تو اپنے عظمت والے ربّ کی تسبیح کرو''۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر وہ شخص اصحابِ الیمین سے ہوگا تو اس سے کہا جائے گا کہ تجھے تیرے ان احباب کی طرف سے سلام ہو جو اصحاب الیمین میں سے ہیں اور مفسرین نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ فرشتوں کی طرف سے سلام سلام کے نعرے ہوں گے یہ خروش استقبال کے لئے ہوگا

یہ روح کا تحفہ!!

ریحان کی خوشبو!!

سلاموں کا خروش!!

کسی کی آمد پر مسرتوں کا اظہار!!

سلامتی اور سکون کی کیفیت!!

راحت اور آرام کی خوشبوئیں!!

نعمتوں پر نعمتوں کے آثار اور نشانیاں

اور یمن و برکت کی اخروی پھوار!!

اصحاب الیمین کے لئے ھدیے ہوں گے

سورۃ الواقعہ کا آخری حصہ ان لوگوں کے بارے میں مکرر اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے جو اصحاب الشمال ہوں گے اور ان کی خصوصیات میں سے دو باتیں نمایاں ہوں گی کہ انہوں نے زندگی جھوٹ کے مرکز سے وابستہ رہ کر گزاری ہو گی۔ زبان جھوٹ، سوچ جھوٹ، خیال جھوٹ، اسرار جھوٹ اور آشکار جھوٹ، اس

مفردات

وَ اَمَّاۤ اِنْ: اور اگر تم
كَانَ: ہو وہ
مِنَ: سے
الْمُكَذِّبِيْنَ: انکار کرنے والے
الضَّآلِّيْنَ: گمراہوں
فَنُزُلٌ: پس مہمانی
مِّنْ: سے
حَمِيْمٍ: کھولتا پانی
وَّ تَصْلِيَةُ: اور جھونک دینا
جَحِيْمٍ: بھڑکتی آگ
اِنَّ: بے شک
هٰذَا: یہ
لَهُوَ: یقیناً وہ
حَقُّ: حق
الْيَقِيْنِ: یقینی، اعتماد
فَسَبِّحْ: پس تسبیح کرو
بِاسْمِ: نام کی
رَبِّكَ: اپنے رب
الْعَظِيْمِ: عظمت والا

جھوٹ کی من موجی نے ان کو مکذب بنا دیا ہوگا۔ وہ بھلائی، کسی نیکی اور کسی مخلص انسان کی سچائی کی تصدیق نہیں، اولیاء سے دور اور اہل بیت سے بعید ان کا کنبہ یزیدی کنبے کی طرح نیکیوں کے سرچشموں کا دشمن اور قاتل ہوگا۔

ان کی دوسری خصوصیت یہ ہوگی کہ یہ منحرف، بھٹکے اور شکی مزاج لوگ ہوں گے۔ گمراہیوں کے حصار میں رہتے ہوں گے۔ قرآن مجید کہتا ہے ایسے جھوٹوں اور قاصر، جاہل اور بدقماش لوگوں کی اس جہاں میں ورود پر مہمان نوازی کھولتے ہوئے پانی سے ہوگی۔ یہاں ''منزل **حمیم**'' کا جملہ برزخ کے عذاب کے لئے ہوگا اور ''**تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ**'' دوزخ کی آگ میں ورود کے لئے ہوگا۔

قرآن مجید ان اخروی حقیقتوں کو بیان کرنے کے بعد یہ کہتا ہے یہ ''حق الیقین'' ہے۔ یقین کا اعلیٰ درجہ حق الیقین ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ مقربین، اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ حق الیقین ہے۔

قرآن مجید نے آگے اضافت بیانیہ کے طور پر ارشاد فرمایا:

> ''جب معاملہ یقین کے اس درجہ پر پہنچا ہوا ہے تو، تُو اے قرآن پڑھنے والے! اپنے ربّ کی تسبیح کر، اس کی پاکی بیان کر اور ''**سبحان ربی الاعلی**'' کے پاکیزہ کلمات سے لذت حاصل کر۔ مفسرین نے لکھا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:
> ''تم لوگ اس کو اپنے رکوعوں میں مقرر کر لو اور ''**سبحان ربی العظیم** کہو'' (111)۔

ایک خوبصورت حدیث کے ساتھ خاتمہ

سیوطی در المنثور میں اس حدیث کو روایت کرتے ہیں (112):

> ''مومن کو جس پہلی منزل کی بشارت دی جائے گی وہ روح اور ریحان ہیں اور نعمتوں سے لبالب بھری جنت ہے اور پہلی بشارت مومن کے لئے خوشنودی خدا ہوگی۔ اسے کہا جائے گا ہم تجھے جنت میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ اللہ نے ان تمام افراد کو بخش دیا ہے جنہوں نے تیرے جنازے کی

مشایعت کی ہے اور جو تیرے بارے انہوں نے گواہی
دی ہے کہ تو اچھا شخص رہا اللہ نے ان کی گواہی سن لی ہے
اور تیرے بارے میں ان کی دعا کو مستجاب کر دیا ہے''۔

❁❁❁❁❁

التجاومناجات

سورۃ الواقعہ کی تفسیر، اتفاق مسجد لاہور کے ایک چھوٹے سے حجرے میں ختم کرنے کی توفیق ہوئی۔محرم الحرام کا یہ جمعہ اس عید کی طرح ہوا جو موسم بہار میں جلوہ گری کرے، یہ الگ بات ہے کہ محرم الحرام کے حوادث اور واقعات نے دل کے ''آتش دان'' میں غم حسین کی آگ نے اونچے اونچے شعلے بھڑکا دیئے ہیں۔

قارئین!!!

سورۃ الواقعہ پڑھتے ہوئے ذہن و وجدان جنت کی سیر بھی کرتے ہیں اور دوزخ کی آگ میں بھی جلتے ہیں۔ نامۂ اعمال کی ''کتاب مکنون'' کھلتی ہے اور سائے کی طرح وہم وخیال میں گناہ اور خطائیں رینگنے لگ جاتے ہیں اور یہ احساس گہرا ہو جاتا ہے کہ ہماری کتنی ہی خود فراموشیاں ہیں جو ہماری خود پرستیوں سے جنم لیتی رہتی ہیں۔

کشف المحجوب میں ہے

حضرت جنید بغدادی شوق سے یہ شعر پڑھا کرتے تھے

میں سمجھتا ہوں سورۃ الواقعہ کی ہر آیت اپنے قاری کو جھنجھوڑتی ہے:

فقلت لها ما اذنبت ؟ قالت مجيبة

وجودک ذنب لا يقاس به ذنب

''میں نے اس سے پوچھا آخر میری خطا کیا ہے؟ وہ بولی تو تو سرتا پا گناہ ہی

گناہ ہے اس کے بعد تمہارے بارے میں گناہ کا تصور کیا معنیٰ رکھتا ہے''۔

فیضی جوال محمد سے محبت کی وجہ سے الزامات کی سنگ زنی میں رہا ایک مقام پر لکھتا ہے، اس کا فارسی ترانہ پُرکیف ہے:

''آج میں شاعر نہیں اور نہ ہی میں چاہوں گا کہ حادث و قدیم کی کہانی

چھیڑوں، میرا ہر موئے بدن سننے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہے اور میرے

سکوت کے ہر رنگ میں بے شمار آوازیں گونجتی رہتی ہیں۔ میرے ساغر معنیٰ و لفظ میں جو حکمت آرائی کی ارغوانی شراب پڑی ہے یہ دراصل لہو کی بوندیں ہیں جو میرے حیطۂ دماغ سے ٹپک رہی ہیں۔ میرے دل سے ایک طوفاں ابھر رہا ہے جس میں بے شمار نظروں کی سمندر موجود ہیں کہ ان سمندروں کی ہر لہر میں موتی دار صدف نہاں ہیں۔ صاحبو! میں نے آئینہ دل کو پگھلا دیا ہے تا کہ اہل بزم کو ایک ایک آئینہ دے دوں۔ میرے درد نے مجھے یہ تحفے دیئے ہیں کہ سحر کاری کے صادر حروف میرے فن کا حسن بن گئے ہیں۔ یہ بلا خیز منظر غور سے دیکھئے کہ ستارے ٹوٹ رہے ہیں اور مجھ پر حروف کی بارش ہو رہی ہے، میرے عشق کی تاروں سے پھوٹنے والا ہر نغمہ ناقوس کی طرح بیداری بخشتا ہے''۔

فیضی کی شاعری میں یہ ساماں سوختگی ہے یا نہیں ہے مجھے سورۃ الواقعہ کی تفسیر نویسی میں یہ دولت اللہ نے عطا کی ہے اور اس پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ میرے دل کی دھڑکنیں اس وقت کشکول بن چکی ہیں اور میرے دل کا صدف جوہر بار ہے، ابر بار ہے، گوہر بار ہے اور میری آنکھیں اشکبار ہیں اور میرے ارد اگرد روح وریحان کی خوشبوئیں پھیلی ہوئی ہیں، آتش دل بھڑک رہی ہے لیکن اس میں دھوئیں کا تصور تک نہیں۔ جذبے حنوط کرنا ایک مشکل کام ہے لیکن حرفوں کی لاشوں کو کافور کا جلوہ دے دینا اس سے بھی صعب امر ہے۔

دعا ہے!

التجا ہے!

تیز سانسوں کی حدت میں تمنا ہے!!!

سورت فیض کا سمندر ہے!!!

آرزو دارم!!!

تمنا دارم!!!

بہ بوئے چمن خرسندم!!!

میرے پروردگار!!!
پالن ہار!!!
یااللہ تیرے نام کی تسبیح
سبحان اللہ
مقربین کے ساتھ حشر فرمادے
واقعی مجھے احساس ہوگیا
اے اللہ!!!
جب تو نے مہکتی صبحیں دیں!!!
جب تو نے پُررنگ شاموں سے نوازا!!!
جب لمحے شوخی سے میرا طواف کرتے رہے
جب تو مجھ سے قریب رہا!!!
اور میں بدبخت تجھ سے دور رہا
یارب!!!
خطائیں معاف ہوجائیں
گناہ دھل جائیں
میرے کفن سے کوئی میری میلی تاریخ نہ پڑھ لے
اصحاب الشمال سے دور رکھنا
اور مقربین میں شامل کردینا
فضل سے، عطا سے اور سورۃ الواقعہ کے کرم سے!!!
مجھے بھی اور مجھے پڑھنے والوں کو بھی!!!
بہشت کی گل بھری فضائیں نصیب ہوجائیں
سبز پتوں کی خوشبو چھوئے مجھ کو

موسموں کی مہک کو بہشت جہاں میں چُنوں میں!!!
آنکھوں میں رنگ ابھریں!!!
محبوبوں کی زیارت ہو!!!
چوموں میں ان کے ہاتھ پلکوں سے!!!
اور سنوں میں ان کی آواز دھڑکنوں کی سماعتوں سے!!!

میرے اللہ!
میرے ربّ!
اگر تو ناراض نہ ہو تو کہہ دوں مرے محبوب ہو
مجھے نار سموم میں جلا کر تیرے نظام عدل کو کیا ملے گا؟
اپنے نظام فضل سے میری یاوری کر!
میری مدد کر اور میرے جتنے بھی ہیں انہیں معاف کر دے
معاف کر دے!
معاف کر دے!
معاف کر دے!

مولا!
ہر کمال تیرا عکسِ جمال ہوتا ہے!!!
ہمیں اس پر جزا نہیں
محبت کی عطا چاہئے
دلبر ''حوریں'' بھی حق ہیں!!!
میرے ربّ تیری توفیق سے!!!
میں کبھی خوابوں کی ردا اوڑھ کر جیا ہی نہیں
محنت کی جفا جوئیاں ہمیشہ مجھے نچیر کرتی رہیں!!!

روشنیوں کی نقابت تیری عطار ہی!!!
قرآن کی صحبت میں ہمیشہ میرا احساس رہا
قطرے قلزم بن سکتے ہیں
اور
کرنیں روشنی کے مصدر تک رسائی پا سکتی ہیں
سورۃ الواقعہ!!!
حوصلے بانٹ رہی ہے
اس جہاں کے خاتمے پر
تو مل رہا ہے بندوں سے!!!
اور زیارت بخشی تیرا انعام ہوگا
نور کا جشن ہوگا
اور ملاقاتوں کے رنگوں میں
تیری عطاؤں کی طلعت ہوگی
میرے محبوب!!!
میرے مولا!!!
میری مرادِ جمیل
اذن ہو جائے!
کیا گناہ گار بھی تجھے چاہ سکتے ہیں
تیری آواز میں ہیبت ہے
لوگ جب تین طبقوں میں بٹ جائیں گے
مقربون!
مزّکون!!

مطہرون!!
اوراصحاب الیمین!!
اوراصحاب الشمال!!
مجھے!
میری ارادت کے مصنوعی محل میں بسنے والے!!!
حبل اللہ کے معتصم!!!
قرآن کے مخلص مرید!!!
سورۃ الواقعہ ورد کرنے والے
اوروہ جنہوں نے تفسیر کی تسبیح رولی ہے
شوروشر کے طوفانوں سے بچ جائیں
اور تیری عطاؤں کی روشنی ان کے لئے جاگتی رہے
اور
تیری بخشش کے پھول غریبوں کے لئے کھلتے رہیں
بس تیری نظر چاہیئے!
اور تیری مدداور ساتھ!!!
اے شہ رگ سے قریب تر!!!
تیرادریوزہ گر!!!
حیاتِ محبت مانگتا ہے
ہم سب تیرے بن کے جئیں!!!
اور
موت کا گھونٹ جب نصیب ہو
''روح وریحان'' نصیبہ بن جائے۔

❁❁❁❁❁

(1) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً قرطبی ایضاً سعیدی ایضاً پیر کرم شاہ ایضاً پانی پتی ایضاً سیوطی ایضاً واحدی

(2) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی

(3) تفسیر کبیر: فخر رازی

(4) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً روح البیان ایضاً طبری ایضاً سیوطی

(5) تاویلات اہل سنت: ماتریدی

(6) کشاف: زمخشری

(7) تفسیر القرآن: عبدالرحمان بن ناصر بن عبداللہ السعدی

(8) مجمع البیان: طبرسی ایضاً اللباب

(9) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(10) المفردات: راغب

(11) تاج العروس: زبیدی حنفی

(12) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً تفسیر حسنات ایضاً وھبہ ایضاً ابن عاشور

(13) تفسیر مظہری: پانی پتی ایضاً آلوسی ایضاً حقی ایضاً رازی ایضاً وھبہ ایضاً طبری ایضاً سیوطی

(14) الجامع لاحکام: قرطبی

(15) تفسیرات حسن بصری: ڈاکٹر شیر علی

(16) اللباب فی علوم الکتاب: ابن عادل دمشقی ایضاً بغوی ایضاً قرطبی

(17) تفسیر قرطبی: قرطبی

(18) تفسیر القرآن: ابن عادل دمشقی

(19) اللباب: ابن عادل دمشقی

(20) المحرر الوجیز: ابن عطیہ

(21) اللباب: ابن عادل حنفی ایضاً بغوی

(22) المفردات: راغب اصفہانی

(23) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(24) اللباب: ابن عادل دمشقی

(25) تفسیر مظہری: پانی پتی

(26) المفردات: راغب

(27) المفردات: راغب

(28) تاج العروس: زبیدی حنفی

(29) الصحاح: جوھری

(30) تاج: زبیدی حنفی ایضاً محیط

(31) تفسیر مظہری: ثناء اللہ پانی پتی ایضاً رازی ایضاً وھبہ

(32) روح المعانی: آلوسی

(33) القاموس المحیط: فیروز آبادی

(34) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً راغب

(35) التحریر: ابن عاشور ایضاً ابن کثیر ایضاً بغوی ایضاً خطیب ایضاً وھبہ

(36) تفسیر القرآن: بغوی

(37) تفسیر مظہری: پانی پتی

(38) تفسیر مظہری: پانی پتی

(39) روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً گلدستہ تفاسیر ایضاً قرطبی ایضاً مظہری

(40) تفسیر نمونہ: اہل قلم کی ایک جماعت

(41) تفسیر کبیر: رازی

(42) تاج العروس: زبیدی حنفی

(43) تفسیر قرآن: بغوی

(44) تفسیر مظہری: پانی پتی

(45) الجامع لاحکام: قرطبی

(46) الحاوی فی الطب: حکیم ابوزکریا

(47) روح البیان: اسماعیل حقی

(48) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی

(49) تفسیر مظہری: پانی پتی ایضاً نمونہ ایضاً روح البیان

(50) انوار التنزیل: بیضاوی

(51) تفسیر کبیر: بیضاوی

(52) روح: حقی

(53) تفسیر حسنات: ابوالحسنات

(54) تفسیر مظہری: پانی پتی ایضاً ابن عاشور ایضاً وھبہ ایضاً واحدی

(55) تفسیر القرآن: اسماعیل حقی

(56) الجامع البیان: ابن جریر طبری ایضاً اسباب النزول

(57) روح البیان: اسماعیل حقی

(58) تفسیر مظہری: پانی پتی

(59) روح البیان: اسماعیل حقی

(60) تفسیر القرآن: مقاتل ایضاً ابن جوزی ایضاً طبری

(61) التحریر: ابن عاشور ایضاً آلوسی ایضاً قرطبی ایضاً رازی

(62) تفسیر القرآن: مظہری

(63) المفردات: راغب اصفہانی

(64) تاج العروس: زبیدی حنفی

(65) الصحاح: جوہری ایضاً قاموس ایضاً محیط

(66) تفسیر نمونہ: قلم کاروں کی ایک جماعت

(67) لسان العرب: ابن منظور

(68) المفردات: راغب اصفہانی ایضاً واحدی ایضاً اسباب النزول

(69) التحریر: ابن عاشور ایضاً فخر رازی ایضاً شیخ زادہ ایضاً طبرسی ایضاً وھبہ ایضاً نمونہ

(70) تاج العروس: زبیدی حنفی

(71) تاج العروس: زبیدی حنفی

(72) المفردات: راغب

(73) روح البیان: آلوسی ایضاً اسماعیل حقی ایضاً راغب

(74) تاج العروس: زبیدی حنفی

(75) ضیاء القرآن: پیر کرم شاہ الازہری

(76) تفسیر المراغی: علامہ مصطفیٰ المراغی ایضاً روح المعانی ایضاً قرطبی ایضاً اسماعیل حقی

(77) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی جماعت

(78) تاج: زبیدی حنفی ایضاً رازی ایضاً ابن عاشور ایضاً الجزائری

(79) لسان العرب: ابن منظور ایضاً بیضاوی ایضاً واحد ایضاً تاج

(80) روح المعانی: آلوسی ایضاً واحدی ایضاً رازی ایضاً قرطبی

(81) المفردات: راغب اصفہانی ایضاً لسان العرب ایضاً قاموس

(82) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً آلوسی ایضاً رازی

(83) روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً مظہری

(84) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً آلوسی ایضاً واحدی

(85) تفسیر مظہری: پانی پتی

(86) صحیح مسلم حدیث نمبر 2843 مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث 2089

(87) روح البیان: اسماعیل حقی

(88) تبیان القرآن: غلام رسول

(89) تفسیر کبیر: رازی

(90) تفسیر کبیر: رازی ایضاً آلوسی

(91) تفسیر قرطبی: قرطبی، مظہری، رازی

(92) روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً عرائس ایضاً قشیریہ

(93) تبیان القرآن: غلام رسول مولوی

(94) تفسیر مظہری: پانی پتی

(95) روح البیان: اسماعیل حقی

(96) التفسیر المنیر: وھبہ

(97) المفردات: راغب اصفہانی

(98) تاج العروس: زبیدی حنفی

(99) روح البیان: اسماعیل حقی

(100) روح البیان: اسماعیل حقی

(101) روح البیان: اسماعیل حقی

(102) تفسیر حسنات: سید ابوالحسنات

(103) تفسیر خازن: علامہ خازن

(104) جلالین: محلّی

(105) التحریر: ابن عاشور

(106) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی جماعت

(107) زادالمسیر: ابن جوزی

(108) تفسیر مظہری: ایضاً روح تفسیر القرآن: حسن بصری، ابن جریر

(109) روح البیان: اسماعیل ایضاً مجمع طبرسی

(110) تفسیر القرآن: قلمکاروں کی جماعت ایضاً رشید رضا مخدوم اچوی

(111) روح المعانی: آلوسی، قرطبی، مراغی، اسماعیل حقی

(112) درالمنثور: سیوطی

❁❁❁❁❁